# دار المصنفین کی نئی کتاب

## تاریخ سندھ

مؤلفہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی دسنوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

ہندوستان مین مسلمانون کا پہلا قافلہ سندھ مین اترا تھا، اور اُن کی پہلی حکومت یہین قائم ہوئی تھی، اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان حکمران رہے، آج بھی سندھ کے در و دیوار سے اُن کے آثار نمایان ہین، لیکن اس کے باوجود اُردو مین اسلامی سندھ کی کوئی مفصّل و محققانہ تاریخ موجود نہین تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ مین یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس مین سندھ کا جغرافیہ مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات خلافت راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، اُن کی پوری تاریخ اور ان تمام دورون کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات، اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت مین شائع ہو رہی ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور وہان ایک نئی حکومت کی بنیادین استوار ہو رہی ہین،

ضخامت :- ۴۰۰ صفحے،

قیمت :- چھ روپے،

"منیجر"

# دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

## ۶۲ وین جلد

از جولائی سنہ ۱۹۴۸ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبع معارف پریس اعظم گڈھ

# فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۶۲

جولائی ۱۹۴۸ء تا دسمبر ۱۹۴۸ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۶۲ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۸ء عیسوی عدد ۱

## مضامین



## مقالات



## استفسار و جواب




### سیر انصار جلد دوم

جس میں بقیہ انصار کرام کے حالاتِ زندگی اور ان کے اخلاقی و مذہبی کارنامے درج ہیں،

قیمت :۔ ے ضخامت :۔ ۲۰۰ صفحے،

"منیجر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# شذرات

اس دفعہ دار المصنفین ایک مدت کے بعد میرا آنا ہوا، جس کی وجہ سفر کی زحمتون اور مشکلون کا وہ سلسلہ ہے جس نے کمال اتصال کے باوجود ہندوستان کے ایک شہر کو دوسرے شہر سے پہلے سے بہت زیادہ دور بنا دیا ہے، بہرحال دار المصنفین کو آکر مین نے دیکھا اور خوش ہوا کہ اگرچہ ملک کے اندر جہان اکثر علمی ادارے بند ہوگئے، یا بند ہونے کے قریب ہوگئے، دار المصنفین زندہ ہے، اور اپنے کاروبار مین بدستور مصروف ہے، رفقاء مطالعہ و تحقیق و تصنیف و تحریر مین اور اہل مطبع طبع و اشاعت کے کامون مین مشغول ہین، صرف ایک چیز کام مین تعویق کا سبب بن رہی ہے، اور وہ کاغذ کی کمیابی ہے، تاہم حکومت کے ذمہ داران نظم و نسق کے ذریعہ کارروائی جاری ہے، امید ہے کہ یہ مشکل بھی حل ہو جائے گی،

—— ٭ ——

بافعل سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور سیر الصحابہ کی متعدد جلدین زیر طبع ہین، اور نئی کتابون مین سید صباح الدین عبد الرحمان کی کتاب بزم تیموریہ یعنی آل تیمور کا علمی و ادبی تذکرہ چھپ رہا ہے، اس کے چھپ جانے سے اردو کی دلچسپ کتابون مین ایک نئی کتاب کا اضافہ ہوگا،

—— ٭ ——

ابھی سفر کی دقتون کا تذکرہ تھا، حالانکہ ایک پہلو سے دیکھا جائے تو ہوائی راہون نے سفر کی مشکلون کو کم کرنے مین بڑی مدد دی ہے، ہوائی ڈاک کا انتظام اور ہوائی سفر کا اہتمام اب شہر بشہر ہے لیکن بااین ہمہ جس طرح غلہ اور کپڑا شہر بشہر موجود ہونے کے باوجود خلق خدا کھانے اور پہننے کی مشکلون مین گرفتار ہے، اسی طرح شہر بشہر ہوائی جہازون کی پرواز کے باوجود ڈاک کا سلسلہ درہم اور سفر کی ترتیب برہم ہے، اور کسی اگلے شاعر کا یہ شعر ہر پہلو سے صادق ہے، ع

این طرفہ تماشا بین تشنہ است و آب اندر

جس طرح ریلون نے مہینون کے سفر کو دنون کا بنا دیا ہے، ان ہوائی جہازون نے دنون کے سفر کو گھنٹون کا بنا دیا ہے، اور یہ علی جناح استعجال سفر کا طریق اب منسٹرون اور لیڈرون کے حلقہ سے نکل کر ہم لوگون تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین ان ہوائی بساطون پر نماز کا سوال بھی پیدا ہو گیا ہے، ہمعصر صدق کے کسی



راوی صادق البیان کا خیال ہے کہ بعض علماء نے ان ہوائی جہازون پر نماز نہ پڑھے جا سکنے کا فتویٰ دے کر خود ہوائی جہازون کے سفر سے مسلمانون کو پرہیز کا مشورہ دیا ہے، مگر عجب بات یہ ہے کہ قبل اس کے کہ اس طرفہ سفر پر علماء کو دسترس حاصل ہو، اس صدی کے سب سے بڑے عالم فقیہ مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس دقت کو پہلے ہی حل فرما چکے ہین، اُن کا فتویٰ "حکم نماز در ہوائی جہاز" اُن کی آخری تالیف بوادر النوادر (ص ۴۴۳) مین موجود ہے، جس مین بضرورت جواز کا حکم دیا گیا ہے، باقی جو لوگ زمین ہی پر نماز نہین پڑھتے، ان کے کانون مین تو اس پرواز کے وقت ملاء اعلیٰ سے یہ آواز سنائی دیتی ہے " تو کار زمین را نکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی"

—— ٭ ——

ابھی اوپر کی سطرین لکھ کر قلم اپنی عبارت آرائی کے خیال خام پر رقص کر رہا تھا کہ طاؤس کی نظر اپنے پاؤن پر پڑ گئی،

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

وہ طاؤس کا پاؤن کیا تھا ؟ یہ خیال تھا کہ آج جو اردو اس فصاحت و بلاغت کے دعوون کے ساتھ لکھی جا رہی ہے کل کیا ہماری اولاد پڑھ اور سمجھ بھی سکے گی ؟ خصوصیت کے ساتھ جب حکومت وقت کے افراد کی زبان سے یہ فقرے ادا ہوتے ہین تو سوچنا پڑتا ہے کہ واقعی کیا یہ ان ہی بزرگون کے الفاظ ہین جو قومیت واحدہ کے مدعی اور قومیت متحدہ کے داعی ہین، قاصد سے بار بار پوچھنا پڑتا ہے ع سچ سچ بتا یہ لفظ انہی کی زبان کے ہین،

—— ٭ ——

ٹنڈن جی کی قومیت واحدہ کے فلسفہ سے تو مدتون سے آگاہی ہے، مگر نیک صفات پنت جی کی زبان سے وہ تقریر سن کر جو فیض آباد کے الیکشن مین فرمائی، بڑی حیرت ہوئی، اور پرانی عقیدت کے شیشہ کو بڑی ٹھیس لگی، جب دولت و اقبال کی بدمستی کا یہ عالم ہو کہ بڑون بڑون کو اپنی زبان پر قابو نہ رہے تو چھوٹون کا کیا ذکر ہے، پنت جی سے ذاتی واقفیت کی بنا پر اب بھی وہی حسن عقیدت قائم ہے، اور خیال کرتا ہون کہ سوشیالسٹون کے مقابلہ مین کامیابی کے سہل نسخہ کا یہ بھی اسی طرح بضرورت استعمال ہے جس طرح مسلم لیگی اور مہا سبھائی مذہبی و قومی تباہی کو کانگریس کی طرز سیاست کا نتیجہ بتا کر کل کانگریس کی مخالفت کرتے تھے، اور آج اسی کو سوشیالسٹون کے مقابلہ مین کانگریسی رہنما استعمال کر رہے ہین، اور فریق مخالف کا یہ طعن سن رہے ہین، ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

—— ٭ ——

پنت جی تو صرف ہندی زبان ہی کے قبول کو قومیت متحدہ کی شرط قرار دے کر رہ جاتے ہین، لیکن ٹنڈن جی اس کے لئے ہندو کلچر کے قبول کو بھی ضروری سمجھتے ہین، مگر اس حکم سے پہلے ان کو یہ بھی بتانا چاہئے کہ کس عہد کے اور کس صوبہ کے ہندو کلچر کے اختیار کرنے پر وہ مسلمانون کو مجبور کرنا چاہتے ہین اور کیا

اور اس و بنگال سے لے کر پنجاب تک کے ہندوؤن مین کوئی متحدہ ہندو کلچر کا نقشہ ان کے سامنے ہے؟ کیا پگڑی باندھی جائے یا ننگے سر رہا جائے، پھر پگڑی بھی کیسی پنجابی یا راجپوتی، یا گجراتی یا مرہٹی، یا مارواڑی یا میواڑی یا بنگالی سر برہنگی اختیار کیجائے، کس دیس کا کھانا کھایا جائے، اور کس دیس کی ہندی بولی جائے،

---

میرے خیال مین ٹنڈن جی جلدی کر رہے ہین ان کو چاہیئے کہ پہلے اپنے ہم خیالون کو تہذیب و شائستگی کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دین، اور ہندی کو علوم و فنون سے معمور زبان بنائین، پھر تو ہندوستان کا ہر باشندہ غالب قوم کی ہمنوائی اور ہم رنگی، اور ہم لباسی کو بضرورت زمانہ اور بغرض حصول اعزاز از خود قبول کریگا، اور اس وقت نہ دعوتون کی ضرورت ہوگی، اور نہ دعوون کی، اور نہ وعیدون کی، حسن کو اشتہار کے بغیر عشق کا پیام عبودیت پہنچا رہتا ہے، انگریزون نے اپنی تہذیب تمدن اور زبان اور کلچر کو جن اصولون سے پھیلایا، وہی اصول اب دوسرے بھی اختیار کرسکتے ہین، جن مین نہ زور ہے نہ ظلم ہے اور مقصد بہمہ وجوہ حاصل ہے،

لیکن ٹنڈن جی کو مسلمانون سے پہلے خود اپنی حکومت کو مشورہ دینا چاہیئے کہ وہ نئی دلی کی یورپین کلچر کی عمارتون کو ڈھائین، فرنیچرون دفترون قاعدون قانونون طریقون سکریٹریون، کلرکون چپراسیون موٹرون اور سواریون کو چھوڑ کر بنارس کی گلیون مین چلین اور موٹرون کے بجائے ہمارے منتری رتھون پر بیٹھین اور تماسینا بانون سے لڑین،

ٹنڈن جی کو جاننا چاہیئے کہ کسی قوم کا کلچر نہ اس آسانی سے بنتا، اور نہ اس آسانی سے بگڑتا ہے، پھر وہ کانگریس جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ہندو مسلمان یہودی عیسائی پارسی سب کی نمائندہ ہے، اس کے کسی لیڈر کا یہ کہنا کہ مسلمان، یہودی پارسی سب مل کر ہندو کلچر اختیار کرلین اپنے دعوے کی آپ تردید ہے، کلچر ایک ترقی پذیر تحریک ہے، وہ کوئی جامد اور ساکن چیز نہین، ٹنڈن جی کی اس دعوت کے یہ معنی ہین کہ آج بیسوین صدی عیسوی سے ہٹ کر بکرمی سمت کی ابتدائی صدیون مین ہم پہنچ جائین، اور زمانہ کی ہر ترقی کا ساتھ چھوڑ کر ہم عہدِ تاریک کی خاموش تصویرین بن جائین، اس دعوت کو نہ مسلمان ہی قبول کرسکتے ہین نہ سمجھدار ہندو،

ہندو کلچر کی بنیاد تو ہندو دھرم شاستر ہے، جس کی بنا پر ذاتون کی تقسیم چھوت اچھوت کی تمیز اور اونچ، اور ہنر اور پیشہ اور مزدوری کی طبقاتی تقسیم ہے، مجھے ڈر ہے کہ اس شاستر کے زور اور ٹنڈن جی کی تجویز پر راجپوت دلی اور صوبون کے دار الحکومتون کا قبضہ جائین گے اور پنڈتون کو سیاست سے نکال کر پوجا پاٹ اور سنکھشا کے پرانے دھندون مین اور کایستھون کو ان کے اپنے کامون پر لگا دین گے اور اپنے تمام سفیرون کو سمندر پار سے بلوالین گے، اور اچھوت ادھار اور گاؤن سدھار اور عورتون کی تعلیم و ترقی کی ہر تجویز کو مٹا دین گے، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی احمقانہ بات ہوسکتی ہے،

---



# مقالات

## تجدید تعلیم

از

جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی

(۵)

### اصلاح تعلیمِ نسوان

وقت کی رائج و مقبول بولی اگر بولی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام تہذیب و تمدن مین عورت کو چونکہ اصلاً و اصولاً کسبِ معاش کی فکر و ذمہ داری سے آزاد رکھا گیا ہے، اس لئے خالص معاشی و دنیوی تعلیم کی تو بجز استثنائی حالتون کے اس کو حاجت ہی نہین، زیادہ سے زیادہ کچھ گھریلو اور ہلکی قسم کی ایسی دستکاریون کی تعلیم کافی ہے، جو اتفاقی صورتون مین عزت و آبرو کی حفاظت کے ساتھ گذر اوقات مین معین ہون، اسی طرح دینی تعلیم مین بھی عام وعظ و تبلیغ یا مدارس مین درس و تدریس وغیرہ کی متعدی خدماتِ دین بھی عورت کے فرائض مین داخل نہین، اس لئے قدرۃً اس کی تعلیم کا معیار و معاملہ خود اپنے دین کی فکر و درستی، اپنے بچون کی تربیت و نگرانی یا خاص شرطون کے ساتھ خود اپنی ہم جنسون کی دینی تعلیم و خدمت تک محدود رہ جاتا ہے،

اس محدود ضرورت کی تمام اطراف و جوانب کی جامعیت کے ساتھ خود حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ

نے بڑی حد تک بہشتی زیور کے ذریعہ تکمیل فرما دی ہے، جس کی اور بہشتی زیور پر گفتگو کے سلسلہ میں تفصیل گذر چکی
لیکن عورتوں کی تعلیم کی یہ محدودیت مردوں کے مقابلہ میں اس کی اہمیت میں کمی کو ہرگز مستلزم نہیں بلکہ
ابتدائی تربیت کے ذریعہ بچوں میں دین کو راسخ کرنے کے لئے یہ زیادہ اہم و الزم ہے، اسی لئے حضرت نے
مختلف مواعظ و مضامین وغیرہ میں اس کی مستقلاً و جابجا تفصیل و تاکید فرمائی ہے، ایک طویل
مضمون "اصلاح تعلیم نسوان" کے عنوان سے رسالہ القاسم میں شائع فرمایا تھا، پھر کچھ ردوبدل کے ساتھ
بطور ضمیمہ بہشتی زیور میں شامل فرما دیا، اس مضمون میں افراط و تفریط کی ان کوتاہیوں کی اصلاح فرمائی
گئی ہے، جو بالعموم عورتوں کی تعلیم کے معاملہ میں لوگ کرتے ہیں،

**مختلف خیالات** تین خیال کے لوگ ہیں، ایک وہ جو نہ تعلیم نسوان کے مخالف ہیں نہ حامی، مگر تعلیم کا
اہتمام نہیں، دوسرے جو مخالف ہیں، اور تیسرے حامی، ان سب سے مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں،

**طبقہ اول** کی سب سے اشد و اعظم کوتاہی یہ ہے کہ ایسے خیال کے مردوں اور خود عورتوں
کے نزدیک عورتوں کو تعلیم دینے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، دلیل یہ ہے کہ کیا عورتوں کو نوکری
کرنا ہے، ان لوگوں نے نہ تعلیم کی غرض سمجھی، اور نہ نصوص و روایات میں غور کیا، جو مردوں اور عورتوں
دونوں کے لئے تحصیل علم کو ایک درجہ میں فرض و واجب قرار دے رہی ہیں،

"ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ علم سے غرض نوکری نہیں، کیونکہ جس علم کا حاصل کرنا ہر شخص پر واجب ہے
وہ علم معاش نہیں علم دین ہے جس سے انسان کے عقائد، اعمال، معاملات، معاشرات اور اخلاق
درست ہوں، جس کا ثمرہ دنیا میں اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ہے، کہ یہی لوگ اپنے رب
کی راہ پر ہیں، اور آخرت میں اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کی بشارت کہ انہی کے لئے کامیابی ہے
لہذا اس تعلیم کا وجوب نقلاً و عقلاً ظاہر ہے، نقلاً تو طلب العلم واجب علی کل مسلم
طلب الفقہ حتم واجب علی کل مسلم، یا ایہا الناس علیکم بالعلم قبل



ان یقبض و تعلموا وغیرہ روایات ہیں،
جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس علم کے وجوب و فرضیت کی بنیاد نفس اسلام کیا گیا ہے، نہ کہ عورت یا مرد کی
خاص جنس و صنف کے لئے، اس لئے کہ اسلام کی حقیقت ہی خاص عقائد و اعمال کے علم و عمل کے سوا
کیا ہے، اور عمل بلا علم کے کیسے ممکن ہو، اس لئے عقلاً بھی ثابت ہے، کہ جب اصلاح عقائد و اعمال فرض
ہے، اور وہ موقوف ہے ان کا علم حاصل کرنے پر، اور فرض جس پر موقوف ہو، اس کا فرض ہونا بدیہی ہے،
البتہ اس کے لئے عربی یا کتابی علم فی نفسہ واجب نہیں، صحیح اعمال و عقائد کا کسی نہ کسی طرح سن سنا کر
بھی جان لینا کافی ہے.

"لیکن یہاں تین باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے، جیسے
جو شخص پیدل سفر حج کرنے پر قادر نہ ہو، اور ریل و جہاز وغیرہ کی استطاعت رکھتا ہو، تو
اس پر واجب ہوگا کہ سفر کا عزم کرے، اور ریل و جہاز کا ٹکٹ لے کر اس پر سوار ہو، سو ریل
یا جہاز کا ٹکٹ خریدنا اور اس پر سوار ہونا فی نفسہ شرعاً واجب نہیں، لیکن ایک فرض کا ذریعہ ہے
اس لئے یہ بھی فرض ہوگا، مگر بالغیر، دوسرے تجربہ سے معلوم ہوا، کہ اب علم کا محفوظ رہنا کتابوں
ہی کے پڑھنے پڑھانے پر موقوف ہے، جو تعلیم کا متعارف طریق ہے، اور علم دین کا محفوظ
رکھنا واجب ہے، لہذا بطریق متعارف تعلیم کا جاری رکھنا بھی واجب ہے، البتہ یہ واجب علی الکفایہ
ہے، یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہونے چاہئیں، کہ اہل حاجت کے دینی سوالوں
کا جواب دے سکیں"

"تیسری بات بھی تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ مرد علما مستورات کی دینی ضروریات کے لئے
کافی و وافی نہیں، اولاً پردہ کے سبب سب عورتوں کا علما تک پہنچنا قریباً ناممکن، دوسرے
اگر گھر کے مردوں کو واسطہ بنایا جائے، تو بعض گھروں میں تو ایسے مرد میسر ہی نہیں اور بعض

مردون کو خود اپنے ہی دین کی فکر نہین ہوتی، تو عورتون کے لئے کیا اہتمام کرین گے، پھر گھر
مین باپ بیٹا بھائی کوئی عالم ہو بھی تب بھی عورتین بعض مسائل اُن سے پوچھ نہین سکتین اور
سب شوہرون کا عادۃً عالم ہونا ناممکن، لہذا عورتون کی عام احتیاج رفع ہونے کی صورت
اس کے سوا نہین کہ اگر سب نہین تو کچھ عورتین پڑھی ہون تاکہ عام مستورات ان سے دین کی
ہر قسم کی تحقیقات کر لیا کرین، اس لئے لکھے پڑھے مردون کی طرح عورتون مین بھی ایسی تعلیم
ہونا واجب و ضروری ہے،

**دوسرا طبقہ** | وہ ہے جو تعلیم نسوان کا بالکل مخالف اور اس کو نہایت مضر جانتا ہے خصوصاً
لکھنے کی تعلیم کو کہ جس کو چاہا خط لکھ دیا، یا دوسرون نے اپنے نفسانی جذبات ان تک پہنچا دیئے
...... تو اس راہ سے شیطان کا جال پھیل جانا زیادہ عجب نہین،...... اور جب تعلیم زیادہ ہو تو
یہ مفسدہ بھی اس صورت مین زیادہ ہوگا جب کہ کسی عورت کے مضامین نثر و نظم اخبار مین
چھپنے لگین جن کو دیکھ کر سخن شناس شیاطین کاتبہ کے رنگ اور جذبات و خیالات کا اندازہ کرتے
اور شرارت کے شرارے زیادہ پھیلتے ہین، اور غضب یہ کہ فخر کے لئے صاحبۂ مضمون کا نام و پتہ
تک صاف لکھ دیا جاتا ہے کہ فلان کی بیوی، فلان کی بیٹی اور فلان مقام،

"ایک خرابی ان تعلیم یافتہ عورتون مین یہ ہوتی ہے، کہ ہر طرح کی کتابین منگا کر پڑھتی ہین،
عشق بازی کے قصے، سازش اور لگاوٹ کے ناول، شوق انگیز غزلین، پھر ان سے طبیعت
بگڑتی ہے، وغیرہ وغیرہ،" ان واقعات سے انکار نہین، لیکن ان کی حقیقت کے سمجھنے مین
کوتاہ نظری سے کام لیا گیا ہے،

"اصل یہ ہے کہ ان سب خرابیون کی ذمہ دار تعلیم نہین بلکہ نصاب تعلیم، طرز تعلیم، طرز عمل، یا
سوءِ تدبیر ہے، یعنی یا تو ایسی کتابین نہین پڑھائی گئین، جن سے حلال و حرام کے احکام،



ثواب و عذاب کی تفصیل اور تہذیب اخلاق کا طریقہ معلوم ہو، اور جن سے دل مین خوف و
خشیت اور حق کی معرفت و عظمت پیدا ہو، یا یہ ہو کہ باوجود نصاب تعلیم کے مفید و کافی
ہونے کے، مضامین کو قلب مین جمانے کی کوشش اور ان پر عمل کی نگرانی نہین کی گئی، مثلاً
جس روز لڑکی یہ پڑھے کہ غیبت گناہ ہے، اس کے بعد جب غیبت کرے تو فوراً اس کو ٹوکا
اور یاد دلایا جائے کہ دیکھو تم نے کیا پڑھا ہے، اور اس کے خلاف کرتی ہو،...... اس طرح
اگر ان کو برابر تنبیہ کیا جاتا رہے، تو امید ہے کہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا ان مین ملکہ
پیدا ہو جائے گا، ہان اگر طینت ہی مین خرابی ہے، تو

ع ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

"غرض مفاسد کے اسباب یہ ہین، تو اس مین عورتون کی کیا تخصیص یہی اسباب بہ مفاسد
مردون کو پیش آئین تو وہ بھی ویسے ہون گے، البتہ عرفاً ان قبائح کا عورتون سے صدور یا
یا ان کی نسبت رسوائی و ذلت کا زیادہ موجب خیال کی جاتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس
باب مین مرد و عورت یکسان ہین، اور عرف کو شرع پر اس طرح ترجیح دینا بہت بڑا شعبہ
ہے جاہلیت کا،...... جس کے معنی صاف یہ ہین، کہ مردون کے لئے ایک معصیت کو خفیف
سمجھتے ہین، اور عورتون کے لئے شدید، جس پر استخفاف دین کے فتوے کا اندیشہ اور
سخت اندیشہ ہے،"

**تیسرا طبقہ** | "باقی جو تعلیم نسوان کے حامی ہین، اُن سے اس تعلیم کی تعیین اور اس کے طریقہ
کی تجویز مین غلطی ہوتی ہے، ان کی بعض غلطیون کا بیان، اوپر طبقۂ ثانیہ کی اصلاح کے ضمن
مین گذر چکا، مثلاً ان کو صرف پڑھا کر چھوڑ دینا کہ جس قسم کی واہیات، خرافات کتابون اور
رسالون کا جا ہین آزادی سے مطالعہ کرتی رہین، یا تعلیم کے ساتھ اُن کی تربیت و عمل کی

نگرانی کا خیال نہ رکھنا،

اُن کے علاوہ بعض یہ ہیں کہ مستورات کو بجائے علوم دینیہ پڑھانے کے تاریخ جغرافیہ یا اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انگریزی پڑھاتے ہیں، جس کی وجہ صرف یورپ کی تقلید ہے، حالانکہ ہم میں اُن کے رسوم وعادات وغیرہ کے علاوہ سب سے بڑا فرق مذہب کا ہے، وہ یا تو کوئی مذہب نہیں رکھتے، اور زیادہ ایسے ہی ہیں، اور یا ان کا مذہب ہمارے مذہب سے الگ ہے، اس لئے اُن کو یا تو مذہبی تعلیم سے سروکار ہی نہیں یا اپنے مذہب کی تعلیم ہوگی، یا صرف دنیوی معلومات اور زبان کی،

لہذا جب اُن کی غرض تعلیم اور ہے، اور ہماری اور جس کا اوپر طبقۂ اولیٰ کی اصلاح خیال میں ذکر ہوا، یعنی ہماری غرض تعلیم اسلامی عقائد واعمال، معاملات معاشرت، اور اخلاق کا علم، اور اُن کی اصلاح ہے، تو ظاہر ہے، کہ اُن کی تقلید کرنا ہمارے لئے بالکل بے جوڑ ہے،

"بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو آزاد و بیباک عورتوں سے تعلیم دلاتے ہیں، اور صحبت کا اخلاق وجذبات پر ضرور اثر پڑتا ہے، خاص کر جب ہم صحبت بڑا اور ایسا ہو جس کی اطاعت کی جاتی ہو، اور ظاہر ہے، کہ استاد کی عظمت واطاعت دونوں ہوتی ہے ......... اگر اُستانی آزاد و بیباک نہ ہو، لیکن ہم سبق لڑکیاں ایسی ہوں، تب بھی اسی کے قریب قریب مضرتیں واقع ہوں گی،

اس تقریر سے تعلیم کی دو خاص صورتوں کا حال بھی معلوم ہو گیا، جن کا اس وقت بے تکلف رواج ہے، ایک لڑکیوں کے لئے عام زنانہ اسکول بنانا، اور عام مدرسوں کی طرح اس میں مختلف قوم اور مختلف طبقات وخیالات کی لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا گو استانی مسلمان ہی ہو، اور پردہ کا بھی اہتمام ہو تاہم واقعات وتجربہ نے دکھلا دیا کہ یہاں بھی



ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے، اور اگر استانی بھی کوئی آزاد اور مکار مل گئی، تو کریلا نیم چڑھا،

"دوسری صورت یہ کہ اگر کسی مشن کی میم صاحبہ سے بھی روزانہ یا ہفتہ وار تعلیم کی نگرانی یا صنعت سکھانے کے بہانہ سے اختلاط ہونے لگا، تب تو نہ آبرو کی خیر ہے نہ ایمان کی، مگر افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ ان آفات کو مایۂ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں،

"اسلم طریقہ لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے، کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے تعلقات کی جگہ آویں اور پڑھیں، اگر ایسی استانی مل جاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ ہے یہ تعلیم زیادہ بابرکت وبا اثر ثابت ہوتی ہے، ورنہ بدرجۂ مجبوری تنخواہ کا بھی مضائقہ نہیں، اور جہاں کوئی استانی بھی ایسی نہ ملے، گھر کے مرد پڑھا دیا کریں، نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول کلام مجید حتی الامکان صحیح پڑھا جائے، پھر سہل زبان کی دینی کتابیں جن میں تمام اجزائے دین کی مکمل تعلیم ہو (اس وقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کے لئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے تو جو مسائل شرم کے ہوں ان کو چھوڑ دے اور اپنی بیوی کے ذریعہ سمجھوا دے، اور یہ انتظام بھی نہ ہو سکے تو اُن پر نشان کرا دے، کہ وہ سیانی ہو کر خود سمجھ لیں، یا عالم شوہر میسر ہو تو اس سے پوچھ لیں گی، یا شوہر کے ذریعہ عالم سے تحقیق کرا لیں گی،

"بہشتی زیور کے آخر میں کچھ اور مفید رسالوں کے نام بھی لکھ دیئے ہیں، جن کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کے لئے مفید ہے، اگر سب نہ پڑھے تو ضروری مقدار پڑھ کر باقی کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں، نیز تعلیم کے ساتھ عمل کی بھی نگرانی رکھیں، اور اس کا اہتمام بھی بھی رکھیں، کہ اُن کو پڑھنے پڑھانے کا شوق پیدا ہو تا کہ عمر بھر علمی شغل رہے تو اس سے

علم و عمل کی تجدید و تحریص ہوتی رہتی ہے،

"اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت مین قابلیت دیکھین تو عربی کی طرف متوجہ کرین تاکہ قرآن و حدیث و فقہ اصلی زبان مین سمجھنے کے قابل ہو جائین، البتہ قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیان پڑھتی ہین، میرے خیال مین سمجھنے مین زیادہ غلطیان کرتی ہین، اس لئے اکثر کے لئے مناسب نہین"

"یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی، رہا لکھنا تو اگر قرائن سے طبیعت مین بیباکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہین، کیونکہ خانگی ضرورتون کے لئے اس کی بھی حاجت ہوتی ہے، اور اگر خرابی کا اندیشہ ہو تو مفاسد سے بچنا، غیر واجب مصالح کے حاصل کرنے سے اہم ہے، ایسی حالت مین لکھنا نہ سکھلا دین،

## تحقیقِ تعلیمِ انگریزی

یہ تو تفصیل تمامتر دینی تعلیم سے متعلق اصلاح و تجدید کی تھی، جو تعلیمِ دین کے تمام اطراف و جوانب کو محیط ہے، دینی مدارس، اُن کے اساتذہ و طلبہ، ان کے نصابِ تعلیم و طرزِ تعلیم علما، و عوام کا باہمی افادہ و استفادہ، وعظ و افتا، تالیف و تصنیف، عورتون کا مسئلہ تعلیم، غرض تعلیمِ دین کے جس گوشہ مین جو خلل و فساد نظر آیا، اس پر تنبیہ اور اس کے انسداد کی تدبیر فرمائی گئی، اور مجدّدِ دین کو اصلاً و بالذات تعلیمِ دین ہی کی تجدید سے سروکار تھا، جو گویا اصلاح کا ایجابی پہلو تھا،

لیکن اس ایجاب کا ایک سلب بہت تحقیق طلب تھا، پرہیز کے بغیر کوئی علاج کارگر نہین ہو سکتا، لادینی حکومت و سیاست کے غلبہ و تسلط کی بدولت ساری دنیا پر ایک ایسا نظامِ تعلیم مسلط ہو گیا ہے، جو اپنی فطرت و ساخت اپنے آثار و نتائج کے اعتبار سے بالکلیہ دنیا پرستی کا معلم اور دین کی بالکلیہ ضد اور نفی واقع ہوا ہے، یہ وہ جدید یا ہمارے ملک مین انگریزی تعلیم ہے، جو دین کے لحاظ سے



گویا کھیون کا پکا ہوا سالن ہے، یا طاعونی جراثیم مین لپٹا ہوا چوہا، جس کو جلا دینے یا جس سے بھاگ کھڑے ہونے ہی مین جان کی سلامتی ہے، اسی طرح ایمان کی سلامتی بھی، جس کو ایمان عزیز ہو اس جدید یا انگریزی تعلیم سے بعد و فرار ہی مین ہے، یہی خلاصہ ہے اُس مختصر و محققانہ مضمون کا جو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ نے "تحقیق تعلیم انگریزی" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، اور جو محض معنًی ہی محققانہ نہین، صورةً بھی چند مسلّم و بدیہی مقدمات پیش فرما کر اُن کے منطقی نتائج کو واضح فرما دیا گیا ہے، اس طرح کہ پہلے دس مقدمات پھر ایک ایک مقدمہ کے حوالہ سے ان کے لازمی نتائج بیان فرمائے گئے ہین،

لیکن چونکہ آج کل کے خطابت پسند دماغ بالعموم اتنی منطق کے متحمل نہین رہے ہین، اس لئے ذیل مین خفیف لفظی ردّ و بدل کے ساتھ اس کو پیش کیا جاتا ہے خصوصًا نتائج کو سب مقدمات کے بعد نہین بلکہ ساتھ ساتھ پیش کر دیا گیا ہے تاکہ ذہن کو ہر نتیجہ کی گرفت اور مقدمہ سے اس کے ربط مین دشواری نہ ہو،

**پہلا مقدمہ**۔ کسی شے کا قبیح ہونا یا تو ذاتی ہوتا ہے، یا عارضی، جیسے زنا و سرقہ کہ قباحت ان کی ذات ہی مین داخل ہے، کسی عارضی چیز کی وجہ سے نہین آتی، اس لئے یہ کبھی کسی حالت مین جائز و مُباح نہین ہو سکتے، اور عارضی چیز کی مثال جیسے اذانِ جمعہ کے بعد خرید و فروخت ہے، کہ یہان نفس بیع مین کوئی خرابی نہین، بلکہ ایک عارضی سبب یعنی فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کے حکم کی وجہ سے جمعہ کی اذان کے بعد بیع ناجائز و ممنوع ہو گی،

تو اب ظاہر ہے کہ انگریزی اپنی ذات مین محض ایک زبان ہے، اور اس کی تعلیم متعارف نصاب کے اعتبار سے چند علوم و فنون کا نام ہے، اور کسی زبان یا علم و فن کا سیکھنا اپنی ذات مین ممنوع نہین ہو سکتا،

**دوسرا مقدمہ**۔ البتہ جو چیز کسی عارضی و خارجی سبب سے مفاسد کا ذریعہ بن جائے، تو بذاتِ خود مُباح ہونے کے باوجود ان مفاسد کی وجہ سے عارضی طور پر حرام ہو جا سکتی ہے،

جیسے ہتھیار فروخت کرنا بذات خود جائز ہے، لیکن دشمن یا غداروں کے ہاتھ بوجہ
غدر و دشمنی کے فساد کے حرام ہے،

لہذا اگر انگریزی تعلیم پر بھی مفاسد مرتب ہونے لگیں، تو فی نفسہٖ جائز و مباح ہونے
کے باوجود ان مفاسد کی وجہ سے حرام و ممنوع قرار پائے گی،

**تیسرا مقدمہ**۔ دین نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ صرف چند ظاہری اعمال ہی کا نام
نہیں، بلکہ سب سے بڑھ کر عقائد کا جزء ہے، جس پر نجات کا مدار ہے، اور ایک جزء صبر و شکر اخلاص
و تواضع وغیرہ اخلاقِ حمیدہ کا ہے؛ وہ بھی محققین کے نزدیک نماز روزہ ہی کی طرح فرض
ہے، اگر کوئی صرف چند اعمال ظاہری کو پورا کرلے، نہ عقائد ٹھیک ہوں نہ اخلاق تو اس کو پورا
مسلمان ظاہر ہے کہ نہ کہا جائے گا،

اب انگریزی تعلیم کے جو آثار دن رات مشاہد ہیں، وہ ملاحظہ ہوں کہ نماز روزہ میں
کاہلی بلکہ اعراض، عقائد میں ضعف بلکہ تشویش و انکار، اخلاق میں تکبر و نمائش و تصنع اور
کافروں کی تقلید بلکہ دینداروں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھنا،

**چوتھا مقدمہ**۔ جس دنیا کی قرآن و حدیث میں ممانعت ہے، اس کا خلاصہ دو چیزیں
ہیں، حبِ مال، اور حبِ جاہ، یعنی مال و جاہ کا ایسا محبوب ہونا کہ ان کے مقابلہ میں دین
کے ضائع ہونے کا صدمہ نہ ہو، یعنی جس چیز سے مال و جاہ کی ترقی، لیکن دین کا تنزل ہو
تو مال و جاہ کو ترجیح دینا اور دین کی پروا نہ کرنا قرآن و حدیث پر جن کی نظر ہے، اُن کے
نزدیک یہ مقدمہ اجلیٰ بدیہیات میں ہے،

انگریزی تعلیم یافتہ دماغ کا کام دن رات مالی ترقی اور جاہ و منصب کے حصول کی ہوس
پکانا، ان کی تحصیل کے پیچھے شرعی احکام کی ذرہ برابر بھی نظر میں وقعت نہ رہنا ہے، یہی وہ دنیا ہے



جو اللہ و رسول کے نزدیک مبغوض و ملعون ہے،

**پانچواں مقدمہ**۔ شریعت کے احکام کا دار و مدار حقیقت پر ہے، نہ کہ نام پر، پس اگر
شراب کو شربت یا زنا کو نکاح کا نام دیدیا جائے، تو اس سے ان کا حکم نہ بدل جائے گا دونوں
بدستور حرام ہی رہیں گی،

لوگو اس وقت ہوسناکوں نے اسی ملعون و مبغوض دنیا کا نام اولعزمی و ترقی رکھ لیا ہے
لیکن نام یا عنوان بدل جانے سے حقیقت یا معنون تو نہیں بدل جاتا،

**چھٹا مقدمہ**۔ کسی شے پر جو حکم لگایا جاتا ہے، وہ غلبہ و اکثریت کی بنا پر ایک آدھ استثناء
اس حکم کو غلط نہ ٹھہرائے گا، مثلاً سنکھیا کی ایک خاص مقدار عام طور سے مہلک ہوتی ہے، لیکن
اگر اتفاق سے کوئی شخص ہلاک نہ ہو، تو اس سے سنکھیا کے مہلک یا زہر قاتل ہونے کے حکم
میں فرق نہ آئے گا،

اسی طرح اگر بعضے لوگوں میں انگریزی تعلیم کے مذکورۂ بالا آثار نہیں پیدا ہوتے ہیں، تو
اس کا اعتبار نہ ہوگا،

**ساتواں مقدمہ**۔ کسی چیز پر کسی خاص اثر کے مرتب ہونے کا اگر حکم لگایا جائے
تو اس کے اسباب کا معلوم ہونا ضروری نہیں، مشاہدہ و تجربہ بالکل کافی ہے، مقناطیس کی
کشش کی علت و سبب نہ بھی معلوم ہو، تو بھی اس کے اثر کا حکم لگانے کے لئے کشش کا مشاہدہ
و تجربہ کافی ہے،

لہذا صحتِ حکم کے لئے اس سے بحث ضروری نہیں کہ انگریزی تعلیم کے اثرات ملاحدہ کی
صحبت مصنفین کے خیالات، سائنس وغیرہ کسی خاص فن کی تعلیم، یا تعلیم دین کے عدم اہتمام
وغیرہ کسی سبب سے پیدا ہوتے ہیں، جب تک یہ آثار پیدا ہوتے رہیں گے، عدم جواز

کا حکم بدستور قائم رہے گا"،

ہان اس کی اصلاح کے لئے ان اسباب پر بحث ہوگی، جس کا ذکر راقم ہذا آگے کریگا،

**آٹھوان مقدمہ** جس شے کو حاصل کیا جاتا ہے، وہ یا تو خود مقصود ہوتی ہے، یا مقصود کا ذریعہ ہوتی ہے، ذریعہ تو بقدر ضرورت ہی حاصل کیا جاتا ہے، مثلاً غذا خود مقصود ہے تو وہ ہمیشہ حاصل کرنے کی چیز ہے، بخلاف اس کے دوا تو وہ دفع مرض کا ذریعہ ہے، جب مرض نہ رہے گا، دوا سے روک دیا جائے گا،

اس لئے جو شخص دنیا کی ایسی ضرورت سے انگریزی پڑھنا چاہے، جو شریعت کی نگاہ مین بھی ضرورت ہو (اور بڑے بڑے عہدون کے لئے بڑی بڑی ڈگریان حاصل کرنا، جس مین شریعت کی طرح طرح کی مخالفت کرنا پڑتی ہے وہ حد ضرورت سے خارج ہی) یا کسی دینی ضرورت سے پڑھے، مثلاً مخالفون کو اسلام کی دعوت دینے یا ان کے اعتراضون کو رفع کرنے کے لئے تو اس کے لئے بقدر ضرورت اجازت ہوگی،

**نوان مقدمہ.** جس مین اہل رائے کا اختلاف ہو تو وہ دراصل دلیل کے کسی مقدمہ مین ہوگا، یہ نہین ہوسکتا، کہ دلیل تو مسلم ہو اور پھر نتیجہ مین مخالفت رہے، مثلاً زید آدمی ہے، اور جو آدمی ہو وہ لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے، اس لئے زید لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے، اب اگر کوئی شخص زید کسی گدہے کا نام رکھدے، اور کہے کہ زید چونکہ گدہا ہے اور گدہا لکھ نہین سکتا، اس لئے زید لکھ نہین سکتا، تو یہ اختلاف نتیجہ مین نہین، مقدمہ یا دلیل مین ہے، جو ذرا سے غور کے بعد اٹھ جا سکتا ہے کہ اگر زید آدمی کا نام ہے تو پہلا نتیجہ صحیح اور دوسرا غلط ہے اور اگر زید گدہے کا نام ہے تو دوسرا صحیح اور پہلا غلط ہے،

لہذا اگر کسی مستند عالم کا قول یا فتوی انگریزی تعلیم کے نتیجے یا جواز کے خلاف



پایا جائے تو حقیقت مین یہ اختلاف کسی مقدمہ مین ہوگا، نہ کہ نتیجہ مین، سو یہان دو مقدمے ہین، ایک یہ کہ انگریزی کی مروجہ تعلیم سے فلان فلان خراب یا بے دینی کے اثرات پیدا ہوتے ہین، دوسرا یہ کہ جس تعلیم سے ایسے خراب اثرات پیدا ہون. وہ قبیح یا ناجائز ہے،

سو پہلا مقدمہ کوئی شرعی مسئلہ نہین، بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق ہے جس مین مشاہدہ و تجربہ مین اختلاف کی بنا پر اختلاف ہوسکتا ہے، اور اسی کی تحقیق سے ایک رائے کی صحت اور دوسری کی غلطی کا فیصلہ ہوسکتا ہے،

لیکن دوسرا مقدمہ شرعی مسئلہ اور کلی ہے، یہ نہین ہوسکتا کہ ایک طرف کوئی مستند عالم یہ بھی تسلیم کرے کہ انگریزی تعلیم سے الحاد و بے دینی پیدا ہوتی ہے، اور پھر بھی اس کے جواز کا فتوی دے،

آخری **دسوان مقدمہ** یہ ہے کہ جو حکم یا فتوی کسی عارضی سبب سے ہوتا ہے وہ قدرۃً اس عارض کے بدل جانے سے بدل جاتا ہے، اس لئے اگر کسی طرح انگریزی تعلیم کے ان خراب اور مخالفِ دین آثار کا انسداد ہوجائے جن کی اوپر تفصیل گذری، اور اس تعلیم کی عام و اکثری مضرت کا دفعیہ ہوجائے، تو اس کے قبح یا عدم جواز کا حکم بھی اٹھ جاوے گا، گو موجودہ حالت مین اس کی امید بہت کم ہے،

کم کیا بس منطقی امکان سے زیادہ نہین، راقم ہذا چوتھائی صدی سے زیادہ انگریزی کی نئی تعلیم گاہون کالج اور یونیورسٹی ہی مین خدمت کرتا رہا، خصوصاً عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد) مین اس تعلیم کی دینی مضرتون کے انسداد کا ہندوستان بھر سے زیادہ ظاہری سامان فراہم ہے، اسکول ہی سے دینیات کی تعلیم لازم، جس کا سلسلہ برابر بی اے تک قائم با قاعدہ امتحانات جس مین کامیابی کے بغیر سند نہین مل سکتی، پھر اسکول سے لیکر کالج اور میٹرکولیشن سے لے کر ایم اے تک بلکہ پی ایچ ڈی تک علوم جدیدہ کے پہلو بہ پہلو

تفسیر وحدیث وغیرہ علوم دینیہ کا مستقل انتظام، اور پورا شعبہ موجود، اساتذہ کی تنخواہیں بھی بیش قرار اور قریب قریب وہی جو مغربی علوم وفنون کے اساتذہ کی، طلبہ کے لئے حکومت کے محکموں اور نوکریوں میں بھی وہی حقوق جو مغربیات کے طلبہ کے، وظائف کا دروازہ بھی یورپ تک کے لئے دینیات والوں کے حق میں بھی کھلا ہوا شعبۂ دینیات کے اساتذہ بھی خصوصاً دور اول کے ماشاء اللہ ایسے کہ اپنے لائق سے لائق مغربی تعلیم کے ہم چشموں یا اپنے شاگردوں کے سامنے کسی طرح شرمندہ نہیں، تعطیل اتوار کی نہیں جمعہ کی، رمضان شریف میں روزہ داروں کی رعایت میں اوقات صبح کے، بلکہ گرمیوں کے رمضان میں سرے سے تعطیل، پھر حکمران کے متعلق سب کو معلوم کہ حامی دینؒ اور دینی علوم وروایات کے برقرار رکھنے پر مصر،

غرض مغربی علوم اور مغربیت کے دینی اثرات کے مقابلہ میں علوم دین کے لزوم واہتمام اور اہل دین کی وقعت وعظمت وغیرہ کے بہت کچھ ظاہری اسباب مہیا ہونے پر بھی غلبہ طلبہ واساتذہ سب پر مغربیت اور لادینی اثرات ہی کا، وہ بھی مغربی علوم وفنون ہی کی حد تک نہیں، شعبۂ دینیات کے تفسیر وحدیث وفقہ وکلام، خالص دینی علوم وفنون کے پڑھنے والے جن کے لئے انگریزی محض زبان کی حد تک لازم ہے، ان تک کے عادات واطوار افکار وخیالات، صورت وسیرت ظاہر وباطن سب پر رنگ اپنے مغربی رفقاء ہی کا غالب ہے، (الا ماشاء اللہ) طلبہ تو طلبہ اساتذہ میں بھی چند قدیم دینی درسگاہوں کی صورتیں رہ گئی ہیں، جن کے رخصت ہونے پر دینی علوم کے اساتذہ کو صورۃً بھی لادینی علوم کے اساتذہ سے الگ کرنا دشوار ہوگا، رہا استثناء، سو وہ استثناء ہی ہے،

یہی حال کم وبیش جامعہ ملیہ دہلی کا ہے، جو ملیہ سے زیادہ اپنی تعلیم وتربیت میں اسلامیہ ہونے کی مدعی ہے، اور اس سے بڑھ چڑھکر حال نام نہاد مسلم یونیورسٹی (علی گڈھ) کا ہے، ان تجربات سے بہرحال حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی اس رائے کی توثیق ہوتی ہے، کہ اس قسم کی انسدادی تدابیر کے باوجود موجودہ حالات میں اس کی امید بہت کم ہے، کہ انگریزی تعلیم کی ان عام واکثری مضرتوں کا دفیعہ ہوسکے،



جن کی تفصیل اوپر گذری، خصوصاً لادینی کے ساتھ ساتھ محض دینی تعلیم کا پیوند لگا دینا یہ تو تجربہ نے ثابت کردیا کہ بالکل ہی ناکام ہے، بلکہ اس پیوند کاری کا خود دینی تعلیم والوں پر الٹا ہی اثر پڑتا ہے، کہ،

ذاتی نماز روزہ میں کاہلی بلکہ اعراض وہی عقائد میں ضعف وتشویش وہی اخلاق میں تکبر وتصنع وہی کفار کی تقلید کا ذوق وشوق وہی مال وجاہ کی محبت کہ ان کی طلب میں دین کے ضائع ہونے کا صدمہ نہ ہو، اور دن رات دماغ میں بس مالی ترقی اور جاہ ومنصب کی ہوس پکاتے رہنا، جس چیز سے مال وجاہ کی ترقی، لیکن دین کا تنزل ہو تو مال وجاہ کو ترجیح دینا اور دین کی پروا نہ کرنا[1]

جس کو دین کی کچھ بھی پروا ہے، وہ خوب جانتا ہے، کہ دین کا مطلوب دنیا نہیں، دنیا صرف راستہ ہے منزل نہیں، لہذا اگر ایسی صورت ہو کہ راستہ میں چند گھنٹوں یا ایک آدھ دن کی کھانے پینے کی بھی تکلیف ہو، سفر بھی تھرڈ کلاس میں، بلکہ آج کل کی طرح ریل کے پائدان پر لٹک کر، ہی، (جس میں جان تک کا خطرہ ہے) طے کرلینا پڑے، اور منزل پر پہنچ کر مستقل سکونت کے لئے باغ وبنگلہ نوکر چاکر عیش وراحت کے سارے لوازم مہیا ہوں، تو اس سے بڑھ کر کون احمق ہوگا، جو اس عیش وراحت کو قربان کرکے چند گھنٹوں کے سفر میں فسٹ یا سیلون واسٹیشن کے پیچھے جان دیتا پھرے، اور منزل پر پہنچکر جھونپڑا بھی نصیب نہ ہو، بلکہ دن رات تپتی ہوئی صحرائے افریقہ کی ریت کا بستر ہو، اور دماغ کھولانے والے خط استوار کے سورج کا سائبان! ہاں اگر منزل کے کامل ودائم عیش وآرام میں کچھ بھی خلل نہ آئے، بغیر سفر میں کچھ کچھ انٹر سکنڈ کی راحت میسر آجائے تو مضائقہ نہیں، نہ خواہ مخواہ سفر میں مصیبت اٹھانا فرض ہے، غرض جس شخص کو کچھ احساس ہے، کہ مسلمان ہونے کے معنی اس واقعہ پر

---

[1] بزرگان ندوہ نے نیک نیتی سے، اور لادینی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا نہیں، بلکہ دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم کا ذرا سا پیوند لگا دیا تھا، اس نے بھی بعض اور اسباب کے ساتھ مل کر دینی واخلاقی اعتبار سے کچھ اسی طرح

ایمان لانے کے ہیں، کہ اس دنیا کی ساٹھ ستر سال کی عارضی زندگی (وہ بھی ایسی غیر یقینی کہ یقین ایک سانس کا بھی نہیں) کے سفر کے بعد ایک ابدی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی ہماری اصلی منزل ہے، جہاں کے روحانی انعامات و درجات کا تو تصور ہی کون کر سکتا ہے، لباس و طعام، تزک و احتشام، عیش و آرام جس کے لئے ہم اس دنیا میں مرتے ہیں، وہ بھی یہاں سے ہزار ہا ہزار درجہ بہتر ہوگا، اور یہ تمام تر احکام شریعت کی متابعت اور خدا و رسول کی رضا و اطاعت پر موقوف ہے تو وہاں کی جنت کے مقابلہ میں بھلا یہاں کی ہفت اقلیم کی سلطنت کو بھی کون ترجیح دے گا؟ غالباً حضرت ابراہیم ادہم کی حکایت ہے، کہ اُن سے کسی نے بہت تعجب سے کہا کہ آپ نے بھی فرمایا، کہ بادشاہی پر لات ماردی! فرمایا میں نے کیا کمال کیا، کمال اُن کا ہے جنھوں نے جنت پر لات ماردی،

جب تک دین و دنیا کے تعلق کا یہ دینی تصور دل و دماغ پر غالب نہ ہو، اس وقت تک دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا خالی پیوند لگا دینے سے ہرگز دل و دماغ میں دنیا پر دین کی ترجیح و تفوق کا رنگ و رجحان پیدا نہیں ہو سکتا، یہ رنگ پورا تو جب ہی چڑھ سکتا ہے، کہ موجودہ لادینی تعلیم و تہذیب جس کا نصب العین سرتاسر "حیاتِ دنیا کی زینت" ہے، اور اس نصب العین کی پشت پناہی کرنیوالے نظام حکومت و سیاست کا سرے سے تختہ الٹ دیا جائے، اور اس کی جگہ تعلیم و تمدن، حکومت و سیاست سارے ماحول پر عملاً دینی تصورات کی حکومت ہو جائے،

باقی خالص دنیا پرستی کے موجودہ تعلیمی و تمدنی نظامات کے رہتے اُن کے لادینی اثرات کے انسداد کی تھوڑی بہت اگر کوئی صورت ہے تو با ہمت اہل دین کے لئے تو یہ کہ اس تعلیم کے مقابلہ میں اپنی اولاد کو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹) کے آثار و رجحانات پیدا کئے، جو حضرت مجدد نے ان میں چار سطروں میں خالص انگریزی تعلیم کے نتیجہ فرما دیئے ہیں، الحمد للہ کہ اب نسبتہً کچھ اصلاح ہے، مگر نسبتہً ہی اگر علامات مرض کے ساتھ اسباب مرض کی طرف بھی توجہ فرمائی جاسکے، تو انشاء اللہ پوری اصلاح کی امید ہے،



سرے سے جاہل رکھنا گوارا فرمائیں، یا جو کچھ بُری بھلی خالص دینی تعلیم دلا سکیں دلائیں، خواہ اس کی بدولت دنیا میں اولاد کو کارخانوں کا مزدور ہی بننا پڑے، لیکن اس مزدور کا اگر عمل نہیں تو انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ایمان سلامت رہ جائے گا، یا پھر دوسرے درجہ پر جن کو اتنی ہمت نہیں وہ اس موجودہ انگریزی تعلیم سے پہلے بقدر ضرورت دینی تعلیم اور اس کے ساتھ لیکن اس سے بڑھ کر دینی تربیت کا اہتمام کریں، اور یہ اہتمام بالخصوص تربیت کا انگریزی تعلیم کے اختتام تک جاری رہے، اور "ولایت مآب" (یورپ ریٹرن) بنانے کا نام تو کسی حال میں نہ لیں، کیونکہ وہاں سے اپنے دین کو بس کوئی پیدائشی واقعی سچا "ولایت مآب" ہی بچا لا سکتا ہے،

انگریزی سے پہلے بقدر ضرورت دینی تعلیم و تربیت کی عام صورت یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم اور ختم قرآن (ترجمتہً جا بجا ورنہ ناظرہ) کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کا سہ سالہ تعلیمات عشرہ والا دینی تعلیم نصاب[1] اس دینی تربیت کے اہتمام کے ساتھ پورا کرایا جائے، جس کا نمونہ ہر دوئی کا اشرف المدارس ہے، اور اس نمونہ پر جہاں جہاں اور جتنے زائد سے زائد مدارس قائم کئے جا سکیں کئے جائیں،

اس لازمی دینی تعلیم اور تربیت کے معتد بہ رسوخ کے بعد انگریزی اسکول و کالج میں اس شرط کے ساتھ داخل کیا جا سکتا ہے، کہ قیام ہاسٹل میں ہرگز نہ ہو، گھر ہی پر ہو، اور سرپرست اس تربیت کی پوری حفاظت کریں جو اشرف المدارس یا اس کے ہم رنگ مدارس میں بچوں نے حاصل کی ہو، یا ایسے اسلامی اقامت خانے (ہاسٹل) قائم کئے جائیں جن میں اشرف المدارس کے رنگ کی دینی تربیت کا پورا انتظام ہو اور انگریزی تعلیم کے اس سارے دوران میں حضرت علیہ الرحمۃ کی کتابوں خصوصاً ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ لازماً بلا ناغہ روزانہ کچھ نہ کچھ جاری رہے، یا ایسے اقامت خانوں کا نگران روزانہ آدھ گھنٹہ لڑکوں کو جمع کر کے لازماً سنا دیا کرے، باوجود اس کے پھر بھی اگر انگریزی اسکول یا کالج میں کسی لڑکے کا رنگ بگڑتا دیکھے تو اس کو فوراً ہٹا لے اور اس کے لئے انگریزی تعلیم کا خیال بالکل ہی ترک کر کے کسی اور معاشی راہ پر ڈال دے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

[1] جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور جس کا اصل امتیاز خالص دینی تربیت ہو،

رکھے، انشاء اللہ وہ بھی دنیا مین محتاج و مضطر نہ ہو گا، گو کلکٹر و کمشنر نہ ہو مگر خدا اور رسول کے حضو
مین مسلمان کی حیثیت سے تو حاضر ہو گا، باقی جن قلوب مین دین کی اتنی بھی قیمت و وقعت نہین ان
سے خطاب ہی نہ ان کی خدمت مین عرض کرنے کا کچھ حاصل سَيَعْلَمُوْنَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن
دُنیا کی آنکھ بند ہوتے ہی دین کی آنکھ خود کھل جائے گی، مگر اُس وقت اس حسرت کے سوا کیا حاصل کر

| | |
|---|---|
| يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، | ہائے کیا اچھا ہو کہ ہم پھر دنیا مین واپس بھیج دیے جائین اور اگر ایسا ہو تو ہم اپنے رب کی آیات کی پھر تکذیب نہ کرین، اور مؤ |

**اردو کی اہمیت** آخر مین چند سطرین اردو کے متعلق بھی لائق توجہ ہین، اوپر تعلیم سے متعلق جن تجدیدات و
اصلاحات کو پیش کیا گیا وہ تو کم و بیش سب ہی ایسی ہین کہ ساری دنیا کے مسلمانون کو ان کی طرف
توجہ کی ضرورت ہے، لیکن اردو زبان کا معاملہ صرف ہندوستان کے مسلمانون سے تعلق رکھتا ہے
اور یہی نہین کہ یہان کے مسلمانون مین سب سے زیادہ اس زبان کو عموم و قبول حاصل ہے، بلکہ اس نے
اپنے اندر اسلامی و دینی علوم و فنون کا اتنا سرمایہ پیدا و منتقل کر لیا ہے، جو نہ صرف مسلمانون کی عام
ضروری دینی تعلیم کے لئے کافی ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات کے وسیع تر مطالعہ کا شوق رکھنے والون کی
تشفی کے لئے بھی عقلی و نقلی دونون اعتبار سے بہت کچھ ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے، اور راقم احقر کے نزدیک
تو اردو کی اہمیت و فضیلت کے لئے یہی کافی ہو کہ مجدد وقت کی تجدیدات کے قریب قریب سارے خزانون کی کنجی یہی ہے
غالباً اردو ہی سے متعلق کسی کانفرنس مین عام اشتہار اور خاص خط کے ذریعہ حضرت سے شرکت
کی درخواست کی گئی تھی، جواب مین تحریر فرمایا کہ

اس خط و اشتہار کو پڑھ کر قلب مین ایک حرکت پیدا ہوئی، کہ اس خدمت مین کسی
قسم کا حصہ لیا جاوے، چونکہ متعارف خدمتون کی نہ صلاحیت، نہ قوت، اور غالباً ایک



خاص خدمت کی طرف کسی نے توجہ بھی نہین کی"

ظاہر ہے دینی اعتبار سے ہر چھوٹی بڑی چیز کی طرف توجہ تو وقت کے مجدد اور جامع التجدیدین
ہی کی ہو سکتی ہے، بہر حال وہ خاص خدمت

"اس کی تحقیق ہے کہ اس تحریک کا شرعی درجہ کیا ہے، اس کی ضرورت بھی اس لئے
محسوس ہوئی کہ اس وقت اس مسئلہ نے تمدن و قومیت سے آگے بڑھ کر مذہبیت
کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے خیال ہوا کہ اس کے متعلق ایک مختصر تحریر منضبط
کر کے بھیج دی جائے،

اس تحریر مین پہلے چند آیات اور حدیث و فقہ کی روایات نقل فرمائی گئی ہین، اور پھر ان
سے اردو کی دینی و شرعی حیثیت و درجہ کے متعلق نتائج اخذ فرمائے گئے ہین، جو تلخیص و تسہیل کے ساتھ
درج ذیل ہین :-

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ زبانون کے اختلاف و تنوع اور قدرت بیان کو خود قرآن مجید مین
اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات و دلائل مین شمار فرمایا گیا ہے، "وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ الایۃ" اور قدرت بیان کی تعلیم کو بطور احسان و انعام جتلایا گیا
کہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس سے معلوم ہوا کہ تمام زبانون کا استعمال بجائے خود
جائز و مباح ہے، لیکن اسباب و خصوصیات عادیہ کی بنا پر جو بمنزلہ لوازم کے ہو گئی ہین، بعض زبانون کو
بعض پر فوقیت و فضیلت بھی حاصل ہے، چنانچہ عربی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ اس کو تین وجہ سے محبوب رکھو، ایک تو مین عربی ہون، دوسرے قرآن عربی ہے، اور تیسرے
اہل جنت کی گفتگو عربی ہو گی، "احبوا العربیۃ لثلاث لانی عربی والقرآن عربی وکلام اھل
الجنۃ عربی) اسی طرح مثلاً اعراب (دیہاتیون) کے بعض محاورون کے استعمال سے

منع فرمایا گیا ہے، (لا تغلبنکم الاعراب علی اسم صلاتکم فانها فی کتاب اللہ العشاء و انهم یعتمون بحلاب الابل)

"ان دونوں روایتوں میں غور کرنے سے صاف معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ کسی زبان کی فضیلت یا مذمت یا مدح و قدح کی بنیاد اس زبان کا کسی فضیلت یا مذمت کی چیز سے تعلق و تلبس ہے، خواہ وہ چیز کوئی عین ہو، یا معنیٰ"

عربی کے بعد فارسی کو اسی تعلق و تلبس کی بنا پر چند وجوہ سے فضیلت حاصل ہے، ایک تو اس کا مقبولین کی جماعت سے تعلق، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کہ سورۂ جمعہ اور اس میں یہ آیت نازل ہوئی وَ آخرین منهم لما یلحقوا بهم لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ اس آیت میں کون لوگ مراد ہیں؟ اس وقت سلمان فارسی رضؓ بھی حاضر تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک ان کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیتے،

"اس کی شرح لمعات میں ہے کہ مراد لما یلحقوا بهم سے عجمی یا فارسی حضرات تابعین رضی اللہ عنہم ہیں، کیونکہ وہ صحابہ سے لاحق تھے، اور اکثر تابعی اہل عجم میں سے ہی ہوئے ہیں، اور علم و اجتہاد جس درجہ کا ان عجمی تابعین میں ظاہر ہوا، دوسروں میں نہیں ہوا"

بعض محققین نے لکھا ہے کہ فارسی کی اس فضیلت کی بنا پر امام صاحب نے ایک وقت میں فارسی میں نماز کی قرأت کو جائز فرما دیا تھا، گو بعد میں رجوع فرما لیا، لیکن رجوع فرمانے سے اصل بنا کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ رجوع کسی اور قوی تر معارض



کے سبب ہے نہ کہ اصل بنا کے ضعف کے سبب"

اسی طرح بخاری وغیرہ کی بعض روایات نقل فرمائی ہیں، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا فارسی الفاظ استعمال فرمانا ثابت ہے، اور بعض روایات میں فارسی کے استعمال کی جو کراہت آئی ہے، اس کی سند کو خود امام بخاری نے واہی یا پوچ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ یہ کراہیت جب ہے کہ کوئی فارسی کو عربی پر ترجیح دے،

اسی طرح درمختار وغیرہ فقہ کی بعض کتابوں میں فارسی کو عربی سے اقرب اور دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اس کی فصاحت کی بنا پر اشرف قرار دیا ہے، بخلاف بعض دوسری زبانوں کے جن میں ثقل و تنافر بکثرت ہے،

ان تمہیدی مقدمات سے حضرت علیہ الرحمۃ نے اردو کے متعلق جو تفریع اخذ فرمائی ہے، وہ کم و بیش بالفاظہٖ ملاحظہ ہو،

"جس طرح فارسی کو عربی سے مناسبت ہونے کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، اور چونکہ اس فضیلت کا اثر احکامِ دینیہ میں بھی ہے، اس لئے وہ فضیلتِ دینیہ ہے، اس طرح بلا شبہ عربی و فارسی کے ساتھ ایسی ہی قوی مناسبت ہونے سے اردو کو بھی دینی فضیلت حاصل ہے، بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت ہی کی مناسبت ہے، اور اردو کو فارسی و عربی سے جزئیت کی مناسبت ہے، فارسی و عربی کے جس کثرت سے مفرد الفاظ اردو میں ہیں کسی زبان میں بھی نہیں، مفرد الفاظ ہی کیا بہت سے جملے ایسے ہوتے ہیں، کہ بجز کاف وغیرہ روابط کے پورا مادہ فارسی و عربی میں ہوتا ہے، یہ تو فضیلت والی زبانوں سے اردو کا تعلق و تلبس ہوا،

دوسری فضیلت اردو کی یہ ہے کہ دینی علوم خصوصاً صحیح و مقبول تصوف کا اس میں

غیر محدود و غیر محصور ذخیرہ ہے جس کو علماء و مشائخ نے صدیون کی مشقت اور اہتمام سے جمع فرمایا ہے، خدانخواستہ اگر یہ زبان ضائع ہوگئی، تو یہ تمام ذخیرہ ضائع ہو جائے گا، بالخصوص عام مسلمانون کے لئے تو علم دین کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہے گا، کیونکہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے ان کا استفادہ اردو ہی پر موقوف ہے، اور کیا اس طرح ضائع ہوتے دیکھنا اور انسداد نہ کرنا شرعاً جائز ہے،"

ایک اور خصوصیت اردو کی اس کا سلیس و آسان ہونا ہے، یہ بھی بڑی فضیلت ہے کیونکہ حصول دین کے لئے زبان کی آسانی اور تیسیر کو اللہ تعالیٰ نے بطور احسان کے ذکر فرمایا ہے، جیساکہ فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین، وقال تعالیٰ فانما یسرناہ بلسانک لعلھم یتذکرون وغیرہ آیات سے ظاہر ہے،

"غرض اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس بنا پر یہ حفاظت حسب استطاعت واجب و طاعت ہے، اور باوجود قدرت کے اس مین غفلت کرنا معصیت و موجب مواخذۂ آخرت ہوگا، واللہ اعلم (النور رمضان ۱۳۵۸ھ)

آخر مین بلکہ اول و آخر یاد رکھنے کی باتین دو ہین، ایک یہ کہ جن علوم و فنون کا تعلق انسان کی خالص دنیاوی و مادی و حیوانی زندگی کی حاجات سے ہو، وہ دین کی نگاہ مین سرے سے علم ہی نہین، علم وہی ہے جو انسان کے انسانی مقصد وجود اور اس کی تکمیل کی راہ دکھلائے ثانیاً اس زمانہ مین پتھر کے بتون سے بڑھ کر جو نئے بت تراش لئے گئے ہین، اُن مین سے ایک "علم برائے علم" ہے، یعنی علم و فن کو بذاتِ خود ایک صنم اعظم بنالیا گیا ہے، غیر ضروری سے غیر ضروری شے کی تحقیقاتِ عالیہ (ریسرچ) بھی فی نفسہٖ مطلوب و معبود بن گئی ہے، اگر فردوسی کی قبر کا پتہ لگا کر اس پر بھی کوئی ایک مقالہ لکھ ڈالے تو وہ بھی ڈاکٹر یعنی علم کا مستند محقق و ماہر بنجا سکتا ہے!



سو خوب معلوم رہنا چاہئے، کہ توحید کامل کے دین (اسلام) مین خدا یا خدا کی رضاجوئی کے سوا کسی شے کو بھی مطلوب و مقصود بالذات بنانا اگر جلی نہین تو خفی شرک یقیناً ہے، حتیٰ کہ خود علم دین بھی محض خداشناسی اور خدا کی رضا طلبی ہی کے لئے مطلوب ہے، نفس دینی معلومات کا جان لینا یا مسائل و اصطلاحات کا یاد کر لینا قطعاً مقصود بالذات نہین، بالفاظ دیگر "علم علم کے لئے نہین" بلکہ "علم عمل کے لئے" مطلوب ہے، خواہ یہ عمل قلب کا ہو، یا قالب کا، ایمانیات و اعتقادیات تک کا فقط جان لینا مطلق نافع نہین، ان کا بھی اصل مطلوب ماننا یعنی قبول و یقین کرنا ہے، جو قلب کا عمل ہے، علم بلا عمل یا علم غیر نافع سے تو صراحتہً پناہ مانگی گئی ہے،

ماننے کا بھی ایک نرا اعتقادی درجہ ہوتا ہے، جیساکہ عام مسلمانون کا، اور ایک حالی درجہ ہے جس مین قلب کا قبول و یقین پوری زندگی کا حال بنجاتا ہے، اور زندگی کے سارے اعمال و افعال، حرکات و سکنات مین اُبھر آتا ہے، کامل یا پورا علم بھی پوری طرح کا ماننا ہے، یعنی خدا کا تعلق یا اس کی رضا و ناراضی، محبت و خشیت قلب کا ایسا حال بنجائے کہ نہ اختیار بھر طاعت مین کمی ہو، اور نہ دیدہ و دانستہ معصیت پر جرأت، العلم والخشیۃ نام کے وعظ مین ارشاد ہے کہ

"علم کی دو قسمین ہین اور یہی دو قسمین خشیت مین بھی جاری ہین، ایک عقلی اور ایک حالی، عقلی کو کبھی اعتقادی اور حالی کو طبعی بھی کہدیتے ہین، پس جہان علم اعتقادی ہے وہان خشیت بھی اعتقادی ہے، اور جہان علم حالی ہے، جس کو کہا ہے، کہ

ع علم گر بر دل زنی یارے بود

وہان خشیت بھی حالی ہوگی،

مگر کمالِ ایمان کے لئے خشیت اعتقادی کافی نہین، بلکہ خشیتِ حالی کی ضرورت ہے، اور اسی درجۂ کمال کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین، کہ لا یزنی الزانی حین

یزنی وھو مومنٌ، یہاں محض ایمان (یا علم و تصدیق) اعتقادی مراد نہین، بلکہ ایمان کامل مراد ہے، جس کے ساتھ خشیت حالی ہوتی ہے، اب یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ ہم بہت مسلمانون کو زنا کار دیکھتے ہین، جواب یہ ہے کہ یہان مراد مومن اعتقادی نہین مومن حالی ہے،"

"ایسا علم جو خشیت سے خالی ہو علم ہی نہین، صاحبو! علم کو میراثِ انبیا کہا جاتا ہے تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کونسا علم ہے، کہ انبیاء کا علم ہی نعوذ باللہ ایسا ہی تھا جس مین محض مسائل و اصطلاحات کا لفظ ہو، اور خشیت کا نام نہ ہو، ہرگز نہین، وہان تو یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا تھا، اتنی ہی خشیت بڑھتی تھی، حدیث مین ہے کہ انا اعلمکم باللہ واخشاکم للہ،

اب ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہین، پھر پڑھنے پڑھانے مین مشغول ہو جاتے ہین، اور اسی کو مقصود سمجھتے ہین، تحصیل خشیت کا اہتمام نہین کرتے، حالانکہ غیر مقصود کو مقصود بنا لینا مکروہ ہے، فقہا نے اس راز کو خوب سمجھا، فرماتے ہین، کہ ایک وضو سے جب تک نماز نہ پڑھ لیجائے، دوسرا وضو کرنا مکروہ ہے، ظاہر مین تو شبہہ ہوتا ہے، کہ فقہا نے ایک عبادت کو منع کیا، مگر یہ لوگ حکمائے امت ہین، واقعی خوب سمجھے کہ جب اس کے غیر مقصود کو ادائے مقصود سے پہلے مکرر کیا تو غیر مقصود کو مقصود بنا لیا، اور یہ حد سے تجاوز ہے، اسی طرح تعلیم و تعلّم کو مقصود بالذات سمجھ لینا بھی حد سے تجاوز ہے"

غرض دین کی نگاہ مین حقیقی و کامل علم وہی ہے، جو عمل و اثر سے خالی نہ ہو، یعنی جو اطاعت کا باعث و موجب اور معصیت سے حائل و حاجب ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہین کہ



اَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ، اس سے معلوم ہوا کہ خشیتِ مطلوبہ وہی ہے، جو گناہ سے حائل و مانع ہو جائے، پس جس کو یہ حیلولت حاصل نہین، اس کو خشیتِ مطلوبہ ہی حاصل نہین، اور جب خشیت نہین تو علم حاصل ہونے کی بھی کوئی دلیل نہین، گو کتابی علم حاصل ہو، مگر شریعت مین جو علم مطلوب ہے، وہ محض کتابی نہین، بلکہ وہ علم مطلوب ہے، جو دل مین اتر جائے،

غرض مطلوب شرعی وہی علم ہے، جو اپنے اثر کے ساتھ ہو، جیسے تلوار وہی مطلوب ہے جس مین کاٹ بھی ہو، ورنہ برائے نام تلوار ہو گی، لہذا جو علم اثر سے خالی ہو وہ مطلوب ہی نہ ہو گا، خوب سمجھ لو اسی کو کہتے ہین کہ

علم چہ بود آنکہ رہ بنماید ت — زنگ گمراہی ز دل بزداید ت
این ہوسہا از سرت بیرون کند — خوف و خشیت در دلت افزون کند
تو ندانی جز یجوز و لا یجوز — خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز

اور جب تمھارے علم کی یہ حالت ہے کہ سوائے یجوز و لا یجوز کے کچھ خبر نہین، اور دل پر اس کا کچھ اثر نہین، تو پھر اس پر بے تکلف اس خطاب کو مرتب کر سکتے ہین، کہ

ایہا القوم الذی فی المدرسہ — کلّ ما حصلتموہ وسوسہ
علم نبود غیر علم عاشقی — ما بقی تلبیس ابلیس شقی

مگر ساتھ ہی یہ بھی تبلا دیا کہ "علم عاشقی" سے کیا مراد ہے،

علم دین فقہ است و قرآن و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازین گردد خبیث

یہ اس واسطے کہدیا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ علم عاشقی سے مراد علم دین ہے، کیونکہ ایمان ہی

عشق ہے "والذین آمنوا اشد حباً للہ" اور جب ایمان عشق ہے، تو اسی کا علم
علم عاشقی ہے[۵]

دین کے مدرسون کا بھی ایسا علم جو عشق و اثر سے خالی، اور صرف مسائل و اصطلاحات کا
حفظ ہو، جب وہ تک وسوسہ اور "تلبیس ابلیس" کے سوا کچھ نہین تو دنیا کے کالجون اور یونیورسٹیون
کے علوم و فنون اور تحقیقات عالیہ (ریسرچ) کو علم کا نام دینا حقیقی علم والون کی نظر مین زنگی کو کافور
کا نام دینے کے سوا کیا ہو سکتا ہے،

---

[۵] یہ سب اقتباسات العلم والخشیۃ ہی سے ملخصاً ماخوذ ہین،

## رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

مدرسون اور اسکولون کے طالب علمون کے لئے عام فہم اور سادہ زبان مین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی سیرت، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عہ (طبع چہارم)

## سیر انصار حصہ اول

اس مین انصار کرام کے حالات و سوانح اور اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی کارنامون
کی پوری تفصیل کی گئی ہے، اس سے پہلے ایک بسیط مقدمہ مین انصار قبل از اسلام کی مفصل تاریخ،
ان کے نسب نامے آداب و تمدن اور معاشرت و اخلاق کو نمایان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ حصہ انصار کی تاریخ
قبل الاسلام اور بعد الاسلام کا ایک بہترین مجموعہ بن گیا ہے، طبع دوم ضخامت ۴۱۲ صفحے،
قیمت: ۔/

"منیجر"



# ذوالکفل ؑ

از
مولانا ابوالجلال صاحب ندوی

قرآن کریم کی سورۂ انبیاء مین جن پیغمبرون کے نام آئے ہین، ان مین سے ایک حضرت ذوالکفل ہین
اُن کی بابت قطعی طور پر چند یوم قبل تک ہم صرف اتنا جانتے تھے کہ

(۱) ان کے نام یا لقب کا ترجمہ بار اٹھانے والا ہے، انھون نے کوئی اہم بار اٹھایا تھا، اس لئے
اُن کو یہ لقب ملا،

(۲) اللہ نے اُن کا ذکر سورۂ انبیاء مین پیغمبرون اور نبیون کے زمرہ مین یہ بتانے کے لئے کیا، کہ
سارے انبیاء بشر تھے، کسی کو حیات جاوید عطا نہین ہوئی،

(۳) یہ حضرت ادریس ؑ اور حضرت اسماعیل ؑ جیسے صابرون مین سے تھے،

(۴) صالحین مین سے تھے،

(۵) اللہ نے اُن کو اپنی رحمت مین داخل کر لیا، یعنی اب وہ زندہ نہین،

اس سے زیادہ ہم کچھ نہین جانتے تھے، قرآن کریم مین ان کا نام ہی نام ہے کہین اُن کا قصہ
مذکور نہین ہے کسی حدیث مرفوع متصل مین بھی ان کا تذکرہ نہین ہے۔ اس لئے ان کی تشخیص و تعیین
مین گفتگو کی گنجائش ہے، جس نے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کو اس بات کا قائل کر دیا، کہ
کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کے لقب سے ہمارے ہندوستانی کپل وستو کے حکیم صالح اور مرشد صابر کا ذکر

کہا ہے، جو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے اس شعر کے بالکل خلاف ہے،

ومنا نبی اللہ هود و صالح　　　وذو الکفل منا والملوک الاعاظم

ایک قدیم کتبہ ...... سے قطعی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت ذوالکفل کی بابت حضرت نعمان بن بشیر کا یہ دعویٰ کہ وہ ہم عربوں میں سے تھے، بے بنیاد نہیں ہے، وہ ایک ایس عرب یعنی عرب کے مرد تھے، ان کا نام اذ تھا، وہ للا نامی ایک عورت کے اک (شوہر) تھے، وہ خود کو خولان کا ایس انس کہتے تھے، اور بنو خولان اُن کو اپنا ادمن (رضاعی باپ) کہتے تھے، قدیم خولانی عربی کا مرکب توصیفی ایس انس اور حمیری اور عدنانی لفظ ذوالکفل دونوں مترادف لفظ ہیں،

آثار قدیمہ کے فرانسیسی مشن پیرس کا شائع کیا ہوا ایک اٹلس جس میں ایلہ، تیما، اور تبوک کے اطراف کی عمارتوں اور کتبات کے فوٹو ہیں، دارالمصنفین کے کتبخانہ میں موجود ہے، اس کی پلیٹ LXXIII پر ایک تحریر کا عکس ہے جس کا نمبر ۲ ہے، یہی کتبہ قابلِ قرأت اور صاف انداز تحریر میں پلیٹ XCV پر بھی موجود ہے، اس دوسرے پلیٹ کا چربہ ہدیۂ ناظرین ہے، یہ کتبہ ایلہ کی ایک چٹان پر ملا ہے،



اتفاق سے ایک روز میں نے اس کو دیکھنا شروع کیا، تو اس میں کئی ایک جانے پہچانے ہوئے نام ملے، اس لئے غور سے پڑھنا شروع کیا، تو ایک نہایت اہم کتبہ ثابت ہوا،

چربہ پر نظر کیجئے اس میں ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے ممتاز کرنے والا کوئی نقش نہیں ہے، ہمدانی نے لکھا ہے، کہ مسند لکھنے والے ہر دو لفظ کے درمیان ایک کھڑی لکیر کھینچتے ہیں، لیکن یہ بعد کی مسند خطِ قدیم کا ذکر ہے، اس کتبہ میں بھی ہمارے الف جیسی کھڑی لکیریں ہیں، مگر اس طرح واقع ہیں، کہ ان کو خطوط فاصلہ باور نہیں کیا جا سکتا، الف نما خطوط کو حرف مد لین پڑھنے سے عبارت عبرانی آمیز عربی بن جاتی ہے،

جب اس عبارت کو پڑھنے کی ہم نے کوشش کی تو سب سے پہلے حروف کے مکرر مجموعوں کو الگ لکھ لیا، مثلاً ? ꟷ o ɔ n جو کہ دوسری اور نویں سطر میں موجود ہے، اس طرح کے تمام الفاظ جمع کر کے عربی اور عبرانی لغتوں سے ان کے معنی نوٹ کئے، اس کے بعد ان مختصر مجموعوں کو لغات میں تلاش کیا، جو ایسے الفاظ کے مابین ہیں، کتبہ کے اسماء اور الفاظ کے ایسے معانی نے جو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں کتبہ کا مضمون بتا دیا، جس سے تمام حروف کو مرکب الفاظ میں ڈھال لینا آسان ہو گیا،

اس کتبہ کے تمام نقوش چند کو چھوڑ کر نشوان کی شمس العلوم کے مندرجہ حروف کے جیسے ہیں، البتہ چند نقوش بدلے ہوئے ہیں، ان کو ہم نے الاکلیل، فہرست ابن ندیم، تاریخ العرب قبل الاسلام جرجی زیدان، تاریخ الادب حفنی بک، انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا سنہ ۱۹۲۵ء سے ملا لیا ہے، صرف ایک نقش ۲۰ کو ہم نے ان کتابوں میں نہیں پایا، مصری عاء ꟷ کی شکل ع، ۶۰، ۶ اور ۲ میں بدل سکتی ہے، اس لئے اس نقش کو ہم نے ع پڑھا، پورے کتبہ میں یہ نقش ایک ہی بار آتا ہے، کتبہ کی پہلی سطر یہ ہے،

و ھر عن ۳ کان اشش ۲ ھر ست ھنھا با ...

پورے کتبہ کو پڑھنے سے پہلے اس سطر کو سمجھ لینا چاہئے، ہم نے بات کی تکمیل کے لئے دوسری اسماء

پہلا لفظ بھی لے لیا ہے، اس عبارت کے الفاظ کا آن، ست، ہمّی اور جلا ؤ کو ہر عربی دان بآسانی سمجھ سکتا ہے، ہم
عبرانی زبان میں عربی مَن کا مطلب دیتا ہے، عن، شش، اور با تشریح طلب الفاظ ہیں،

عربوں نے غیر معلوم زمانہ سے ۲۸ تارے ایسے مقرر کر لئے تھے، جن میں سے ہر تارا اپنے طلوع سے ۱۰۳
دنوں کے بعد غروب ہو جاتا ہے، ہر تارے کے دو طلوعوں کے درمیان ۳۶۵ یا ۳۶۶ دن کی مدت ہوتی
ہے، ان تاروں میں سے ہر ایک اپنے پیشرو سے ۱۳ ایام (دنوں) کے بعد اس طرح طلوع ہوتا ہے، کہ دو تین
دنوں تک صبح کے وقت جس وقت ایک تارا مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس کے مقابل میں عین اسی
وقت چودھواں تارا غروب ہوتا رہتا ہے، اس آمنے سامنے کے طلوع و غروب کا نام نوء ہے، عرب
کے لوگ اسلام کے ظہور سے قبل کاروباری دعوتوں وغیرہ کے لئے انہی انواء کے حساب سے دن شمار کرتے تھے،
یہ دستور اتنا قدیم ہے، اسی لفظ نوء کا عکس اَون (آن) وقت اور زمانہ پر دلالت کرتا ہے، اسی کا مختصر
ذو مصریوں میں آسمان کا نام تھا، اور بابل میں انو آسمان کو کہتے تھے، عرب بولتے تھے، لا افعل ھذا اما
اَنّ فی السّماء نجم، صاحب صراح نے لکھا ہے، کہ اس فقرہ میں اَنّ دراصل عَنّ (نمودار ہوا)
کا بدل ہے، عَنّ سے اسم فاعل عان بنا، جو عربی میں مستعمل نہیں ہے، مگر قاعدہ سے اس کے معنی ہیں
"نمودار ہونے والا ستارہ" یہی مطلب اس کتبہ میں عن کا ہے، ۲۸ نجوم اخذ میں سے تیسرے کا اس کتبہ
میں ذکر ہے، عن کا ترجمہ ہندی میں نچھتر کر سکتے ہیں،

مہینہ کو انگریزی میں منتھ کہتے ہیں، جو اصل میں مونس تھا، جو دو لفظوں کا مجموعہ ہے، (۱) مون
(۲) سیس، یہ دونوں لفظ اس زمانہ کے ہیں، جب آریائی اور سامی زبانیں بولنے والی اقوام دو
قومیں نہیں بنی تھیں، بلکہ ایک خاندان تھیں، یہ دونوں لفظ سامی اور آریائی زبانوں میں اتنے قدیم
زمانہ سے یکساں مستعمل ہیں کہ ایک کو دوسرے سے عاریت لیا ہوا نہیں بتایا جا سکتا، سیسان عربی
میں چاند کے متروک ناموں میں سے ہے، ابن سیدہ نے تیرھویں تاریخ کو لیلۃ السیسان بتایا ہے،



چاند کو قرآن[۱] سے پہلے زبور نے وقت کا پیمانہ بتایا ہے[۲] چاند کا قدیم سامی نام مِن خود پیمانہ کا مطلب بھی
ادا کرتا ہے، سیسان کا الف نون زائدتان نکال دینے سے سیس ہو جاتا ہے، یہی لفظ اس کتبہ میں بشکل
ششش تاریخ کا مطلب ادا کرتا ہے،

با کو عربی میں باء کر دو جس کے معنی ہیں لوٹ آیا، اس کتبہ میں با کا لفظ باء العان الاول کا مرادف
ہے یعنی ۳۶۵ دن گذر گئے، سال پورا ہو گیا، پہلا تارا پھر نمودار ہو گیا،

اب اس عبارت کا ترجمہ یہ ہوا "اور تیسرے نچھتر کی ساتویں تاریخ تھی، ۳۰۰ھ جلا کی" یہ ہے کتبہ
لکھنے کی تاریخ، چونکہ اس کتبہ میں عرب کا ذکر ہے، اس لئے جلا سے مراد عربوں کی جلاوطنی ہے.

۷۲۳ ق م کے قریب اشوریوں نے بنی اسرائیل کی اس حکومت کو جس کو حضرت سلیمانؑ کے
باغی یربعام نے قائم کیا تھا، فتح کر کے بنی اسرائیل کے دس قبیلوں کو اکناف عالم میں جلاوطن کر دیا
(سلاطین ۲، ۱۷: ۶ و ۱۸: ۱۰) انہی دنوں.. حضرت یشعیاہ نے بدوؤں کی بابت پیشین گوئی کی، یا یوں
کہئے، کہ مشورہ دیا، کہ عرب کے صحرا میں تم راتیں بسر کرو گے، اے ددانیوں کے قافلو اور اہل تیما کو جو
بنی اسماعیل سے تھے، حکم دیا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، ساتھ ہی یہ پیشینگوئی کی، کہ سال بھر کے بعد
قیدار کی شوکت کا خاتمہ ہو جائے گا (یشعیا ۲۱: ۱۳ تا ۱۷) اشوری کتبات سے پتہ چلتا ہے، کہ ۷۳۵ ق م میں سے
لیکر ۷۱۵ ق م میں اشوریوں نے عربوں پر حملہ کیا، تیما اور ادبیل وغیرہ عربوں نے اطاعت قبول کر لی،
عرب کی ملکہ سبا شمسی نے مقابلہ کیا، مگر ۷۱۵ ق م میں جزیہ دے کر وہ بھی مطیع ہو گئی، بنو قیدار نے ۶۹۲ ق م
تک مقابلہ کیا، مگر یہ مقابلہ محض باغیانہ نوعیت کا تھا، ۷۱۵ ق م میں بہتیرے آزادی پسند
عربوں کو بے دیار ہونا پڑا، اسی ۷۱۵ ق م کو سنہ جلا سمجھنا چاہیے، ۳۰۰ھ جلا سے مراد ۴۱۵ ق م
ہے، اسی سال سے حمیری سنہ شروع ہوتا ہے،

---

[۱] بقرہ ۲۲: ۱۸۹ [۲] زبور ۱۰۴: ۱۹ [۳] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ ج ۲ ص ۳۹۴، ۳۵۷ و جلد ۸ ص ۱۰۳

اب ذیل مین پورا کتبہ نقل کرکے پڑھتے ہین،

ک لھا ایس عرب نابیت[1]

اود[2] اکس ماو

یھس[3] اِبن کلاء یماؤ

حب ماو - تمرہ ماو

م اوت قیصعا[4] احل یا

وزقا تمر[5] ابن کلاء

لیاقن یھوّدا[6] خولن

یا ب عبرسمن او من اذ

ذی تاذن امر حرنا

انا ایس الس خولن

هناو ات[7] امرحهام

نقل هام تنا

دلا ایس تاارب

ایس اب

عرقن اساو تاب اساو

حرما حرمنا نکر حاؤ[8]

اومن اذ ایس عرب اک للا

---

[1] عبرانی علامت مفعولی۔



حل یا الحمس اد للا

منتا فتحنا

وجهرنا شهر

اذ سمع اذ کبرہ

اس عبارت مین جتنے الفاظ پر خط کھینچ کر گنتی لکھی گئی ہے، وہ اشخاص کے اور دوسرے خط کشیدہ الفاظ اقوام یا معبودون کے نام ہین، چند لفظ ایسے ہین جن کو ہر عربی دان سمجھتا ہے، کچھ الفاظ عبرانی اور بعض تشریح طلب عربی ہین، عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے مشکل الفاظ کی شرح کردینا مناسب ہوگا،

ک = عبرانی مین جب کا مرادف ہے،

لھا (عبرانی) مرگیا

ایس = (איש) عبرانی مین איש ایش کے معنی ہین مرد، شوہر، امام، رئیس ایس عب، اور ایس ایس مین یہ لفظ یہی معنی دیتا ہے، איש ایش کا مطلب عبرانی مین وہی ہے، جو انگریزی مین ... کا مطلب ہے، لسان العرب مین ہے کہ لیس اصل میں (لا) ایس تھا، یہ کتبہ لسان العرب کی تصدیق کرتا ہے،

اکس = عربی مبین مین اکیَس عقلمند،

ماو = عربی مین بولتے تھے اماھی بینھم یعنی ان مین فساد ڈالا، یہ اسی کا مجرد معلوم ہوتا ہے،

اِبن = عبرانی مین چٹان کو کہتے ہین، اس لفظ کو توراۃ مین خدا کی شان مین بھی استعمال کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کا ایک لقب روعی ابن یشرائیل تھا، (تکوین ۴۹ : ۲۴) یعنی چوبان اسرائیل کی چٹان، ابن کا مجازی مطلب غالب توانا ہے،

لیاقن = لیوقن تاکہ ایمان لائے،

یا = خدا کا نام ایلیا (الیاس) عبدیا اور زکریا کے نامون کا لاحقہ،

سمن = سمن عربی مین روغن اور مسکہ کو کہتے ہین، تَمَّن کے قیاسی معنی ہین روغن ملا، یہود مین دستور تھا، اور یہ دستور اور قومون میں بھی تھا، کہ جب کسی کو معبد کا سردار کاہن یا بادشاہ مقرر کیا جاتا تھا تو اس کے سر پر مقدس تیل ملا جاتا تھا، عربی مین مسح کے معنی تر ہاتھ سے چھونا ہین، عبرانی مین مشح کے معنی تیل لگانا ہین، رفتہ رفتہ اس لفظ کے معنی کسی مذہبی اور مقدس عہدہ پر مامور کرنے کے ہوگئے، اسی سے مسیح کا لفظ نکلا، اب تو صرف حضرت عیسیٰ المسیح کہلاتے ہین، اور ان کے نام کی حیثیت سے اس لفظ کو اتنی شہرت ہوئی، کہ تاریخ کے ہر عبدالمسیح کو عہد نصرانیت کا آدمی فرض کر لیا جاتا ہے، لیکن بائبل مین یہ لفظ حضرت طالوت اور حضرت داؤد کے علاوہ خورس کی شان مین بھی ملتا ہے سمن کا مطلب یہ ہی کہ مقرر فرمایا ابراہیم المالح نے عبرانی لغت مین سامک سے سمن کا یہی مطلب لکھا ہی،

ادمن (عبرانی) رضاعی باپ

الس = اَلْیَس وہ اونٹ جس پر جتنا بار لادا جائے اٹھالے، "ایس الس" سارا بوجھ اٹھا لینے والا انسان، خولان کے رضاعی باپ یعنی مرشد نے جس کا نام اذ تھا، اپنے آپ کو خولان کا الیس کہا، خولانی لفظ ایس الیس کا عدنانی اور حمیری ترجمہ ذوالکفل ہے، رجل الیس کو عدنانی عربی مین لوگون نے برا مفہوم دے رکھا تھا، ایک طرف مرد شجاع کو بھی الیس کہا جاتا تھا، دوسری طرف اس کا مطلب صالح وصابر تھا، مگر جس طرح اہل لکھنو نے ذات شریف کو بد معاش کا مفہوم دیدیا ہے، اسی طرح بعض عربون نے بھی الیس کو دیوث کا مرادف بنا رکھا تھا، اس لئے قرآن پاک نے اس کتبہ کے اندر مذکور نبی کے لقب کو دہرانے کے بجائے اس لقب کا ترجمہ کر دیا ہے،

ام = اُم، امت، مان، قوم، قوم کا مسلک،

حر = عبرانی مین پہاڑ، عربی مین ایک خاص پہاڑ کا نام حرا جس کی بابت کہا جاتا تھا کہ ۴۳ حُر یہوہ یا اسی (تکوین ۲۲: ۱۴) حرا سے خدا دکھائی دیگا حضرت رسول خدا پر پہلی وحی اسی پہاڑ کے ایک غار مین اتری،



تَآب (تاآب) = ایام قدیم مین ہر قوم خدا کو باپ کہتی تھی، اس کتبہ مین اب اور تا اب ایک دوسرے کے مقابل مستعمل ہوئے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ تاب اور تآب دو لفظون کا مجموعہ ہین جن مین سے ایک تا ہے،

قرشت کے حرف چہارم کا نام عربی مین تا اور عبرانی مین تو ہے، اسی سے توار کا نام نکلا[1] اونٹ کے بدن پر جو سمات بنائے جاتے تھے، ان مین سے چند کو تو یہ کہتے تھے، جس کا واحد توار ہے اونٹ کی گردن پر نضر کے بیان کے مطابق اس طرح توا، بنائی جاتی تھی، کہ ایک لکیر ادھر سے، اور ایک لکیر ادھر سے لاکر نیچے ملا دی جاتی تھی، جیسے V ایسی دو توا مین اس طرح × مل کر متعدد تحریرون کی ت کا نقش بنین، اس کو بھی توا، کہتے تھے نقشِ دوم کو اوپر تلے دہرانے سے ✕ کا نقش بنتا ہے، جو آج تحریر مین نز کی آواز دیتا ہے، تو کے وزن پر اسے زو کہہ سکتے ہین، نقشِ دوم سے ایک خط ہٹا دو تو > کی شکل بن جاتی ہے > مسند صفوی مین ز ہے، بربری مین ⊥ واو ہے، > عبری مربع مین جیم ہی > ⊥ کو زوج پڑھ سکتے ہین، زوج کے معنی جفت کے ہین، عربی زَوّ کے معنی بھی یہی ہین، ذہب توا جمع زدا کے معنی ہین، اکیلا گیا، دوکیلا آیا، ان سمات کی تشریح کا مقصد یہ بتانا ہے کہ زو اور توا ابتداء مین ہم معنی الفاظ تھے، V جو ت کی قدیم شکل ہے، ایک ذو ہی جس مین دو تو پائے جاتے ہین، رسّی کے دو تو ہوتے ہین، تا اور تو کا قدیم مفہوم جوڑا تھا، باپ اور مان دونون مل کر ایک ذو ہین، ان مین سے ہر ایک گویا رسّی کے جدا جدا دو تو یا تا ہین، تا کے معنی ہوئے ساتھی، رفیق، ثانی، جوڑا، تا اب کے معنی ہوئے باپ کا شریک، ساتھی، رفیق اور جوڑا۔ خولان کے رضاعی باپ ایس الس ادمن اذ نے یہ تعلیم دی تھی، کہ باپ ہے، مگر باپ کا شریک نہین ہے،

اسا ؤ = ساء (برا معلوم ہوا) کا مقلوب ہے، سأی، عربی مین اس کے معنی بھی یہی ہین کہ

---

[1] لسان العرب توار

برا معلوم ہوا، اس تحریر میں اسی کا صیغہ امر بصورت جمع آیا ہے، مگر برا جانو کا مطلب دیتا ہے،

حرما حرمنا: کا مطلب عربی لغت کے مطابق حرمنا تحریمًا ہو سکتا ہے یعنی ہم نے حرام قرار دیدیا، حرام، عبرانی لغت کے مطابق اس کا مطلب ہوا ہم کو ہلاک کر دیا، ہلاک، زیر بحث عبارت میں ان دونوں مطلبوں کی یکساں گنجائش ہے، ہم عربی مفہوم کو زیادہ پسند کرتے ہیں، مگر یہ پسند صرف پسند ہے کوئی دوسری وجہ ترجیح ہم کو نظر نہیں آتی،

حل اور احل اس کتبہ میں مرادف ہیں، عبرانی میں احل کے معنی ہیں، اس نے پکارا، آواز دی، نماز پڑھی، توراۃ میں ہے کہ جب شیث کی عمر ۱۰۵ برس کی ہوئی، تو انوش پیدا ہوئے، اور از ہوحل لقرا بشم یہوہ، تب سے اسم الٰہی کی قرأت بالجہر ہونے لگی، اس عبری عبارت میں ہوحل جو کہ احل کا عبرانی باب انفعال ہے، آواز بلند کرنے کے معنی دیتا ہے،

فتحنا = فتحنا - فتفنا، ہم نے توڑا،

محرنا = خرنا ہم نے چیرا،

ھناد = ناہی (دور ہوا) کا عبرانی نہج پر متعدی ھناہی (دور کیا) ھنا د (دور کرو)

اک = ترکی آکا - آقا، مالک، شوہر،

اس تشریح کے بعد اب عبارت کا ترجمہ یہ ہوگا،

"جب عرب کا رئیس نابت مر گیا، خود منداد فاسد ہو گیا،

کلاع (کلاع) کا غالب تو اما ہیس فاسد ہونے لگا،

دانہ فاسد ہو گیا، کھجور فاسد ہو گئی، آفت کی وجہ سے قیصعا (قضاعہ) نے خدا کو پکارا،

کلاع کا غالب تو اما حمر (حمیر) بچوں کی طرح رونے لگا،

---

ۓ تکوین ۵: ۶، ۲، ۵: تکوین ۴: ۲۶،



"اس لئے کہ یہود اخولان ایمان لائے، اللہ نے اذ کو عبر میں رضاعی باپ مقرر کیا، جس نے ہمارے پہاڑ والوں سے کہا، میں ہوں خولان کا سب بار اٹھانے والا مرد، دور کرو یام کے پہاڑ کی روش کو، یام کی پیروی موجب تکلیف ہے، باپ ہے، مگر باپ کا شریک نہیں ہے، عوقن کو برا جانو، باپ کے شریک کو برا جانو، حاد کے منکر نے ہم کو تباہ کر دیا، تباہ، رضاعی باپ عرب کے رئیس، للا کے شوہر اذ نے خدا کو پکارا، للا کے اور (شہر) کو ہلاک کر دے، ہم نے مناۃ کو توڑا، شہر (چاند) کو چیرا، اذ نے سنا، اذ نے تکبیر کہی،

یہ کتبہ اپنی شرح آپ ہے، لیکن یہیں پر مضمون ختم کر دینے سے ہمارے دل کو تشفی نہیں ہوتی، چونکہ ذوالکفل کا قرآن پاک میں صرف نام ہی آیا ہے، اس لئے مزید شرح ضروری معلوم ہوتی ہے، اس کتبہ میں چند نام ایسے ہیں، جن سے انساب عرب پر نظر رکھنے والے اچھی طرح واقف ہیں، اس لئے پہلے ہم ان اشخاص کا نسب نامہ پیش کرتے ہیں،

۱۔ ایس عرب نابت = نبت من ادد (ص ۵۶ نشوان)
|
مذحج (ص ۲۶ ")
|
سعد العشیرہ
|
سعد
|
اوس (ص ۱۰۲ ")

۲۔ اوداکس

۳۔ ہیس

۴۔ قیصعا = قضاعہ

الحاف

۵۔ حمیر = حمر

عمرو — عمران — مالک

۶۔ خولان — حلوان — زید مناہ (ص ۱۵۱ الکلیل ۱)

۸۔ حاو — ۹۔ لیلی عرف خندف زوجہ الیاس بن مضر (نشوان ص ۳۵)
یعنی للا زوجہ ایس ارس

نابت حضرت اسماعیلؑ کے فرزند اکبر کا نام تھا، بنو قیدار مین بھی ایک شخص کا نام نابت تھا، (ابن سعد)
لیکن اود کی وجہ سے ہم نے کتبہ کے نابیت کو نبت بن اود سے تطبیق دی، جس کو نشوان نے اشعریون
کے مورث اعلیٰ اشعر کا نام بتایا ہے، اسی کے بھائی مذحج کا پردادا اود تھا،

اود کا لغوی ترجمہ ٹیڑھا پن ہے، اود کا لقب اس کتبہ کے مطابق اکس یعنی خردمند ہے، اود اکس
کے معنی ہوئے، ٹیڑھا خردمند،

اس کتبہ مین اس کی بابت بتایا گیا ہے، کہ وہ فاسد ہو گیا، اس ٹیڑھی خرد والے شخص کے فاسد
ہونے کا مطلب ایک اودی شاعر کی طرف منسوب یہ شعر بتاتا ہے کہ

اِنَا بنوا اُدِدِ الذی بلوائہ صعبت رئام وقد غزاها الاجدع

"ہم اس اود کی اولاد مین جن کے جھنڈے کی وجہ سے رئام کو استحکام حاصل ہوا،
جب کہ اس کے خلاف اجدع نے جہاد کیا تھا"

رئام یمن کے ایک تبکدہ کا نام ہے، اود اکس اس بت کدہ کا محافظ و پاسبان تھا، اس نے ایس
عرب نابیت کے دین کو جو دین توحید ہوگا ترک کر دیا تھا،

یہس ابن کملا کا ذکر انساب عرب مین ہماری نظر سے نہین گذرا،

نیصعا کو ہم قبیلۂ قضاعہ کے نام پرانی شکل خیال کرتے ہین، کیونکہ اس کے نام کے بعد اس کی
نسل کے معروف اشخاص کے نام ملتے ہین، قضاعہ کے آبائی نسب مین سخت اختلاف ہے، بعض بنو
قضاعہ اور اکثر نسابِ معد اسی بنو معد مین شمار کرتے ہین، لیکن اکثر نساب یمن اور بنو قضاعہ کی ایک بڑی
جماعت قضاعہ کو مالک بن حمیر کی اولاد بتاتی ہے، نشوان وغیرہ کی راے مین جن بنو قضاعہ نے خود
کو اولاد معد سے بتایا، انھون نے امیر معاویہ کے زمانہ مین سیاسی اغراض سے ایسا کیا، یہی راے اصحاب اکلیل
کی ہے، جنھون نے قبر قضاعہ کے دو کتبے نقل کئے ہین، جن مین سے ایک مین صریحاً قضاعہ بن مالک بن



حمیر لکھا ہے زیر بحث کتبہ اس سارے اختلاف کی اصلیت ظاہر کر دیتا ہے، بنو قضاعہ حضرت ذوالکفل
کو اپنا اومن یعنی رضاعی باپ بالفاظ دیگر منہ بولا باپ اور معلم مانتے تھے، ذوالکفل جیسا کہ آیندہ سطرون
سے ظاہر ہوگا، حضرت الیاس بن مضر تھے، قضاعہ کے بنو معد مین سے ہونے کا خیال عہد معاویہ کی سیاسی
اغراض نے پیدا نہین کیا، قاعدہ تبنی کے مطابق بنو قضاعہ بنو معد سے تھے، مگر حقیقۃً مالک بن حمیر کی نسل
سے تھے،

اکلیل مین منقول ایک کتبہ کے مطابق جو قبر قضاعہ پر تھا، قضاعہ نے ۳۰۰ برس کی عمر پائی، اتنی طویل عمر قرین قیاس
نہین، غالباً یہ ترجمہ کی غلطی ہے، کتبہ کا مضمون یہ ہوگا، کہ سنہ ۳۰ (جلاء) تک یعنی ۴۱۵ سنہ ق م تک قضاعہ
زندہ تھا، کتبہ کے مطابق حاود کا زمانہ ۴۱۵ سنہ ق م قرار پاتا ہے، توراتی حساب کے مطابق ہر
قرن کو ۱۰۰ برس دو تو حمر ابن کملا کا زمانہ ۴۱۵ سنہ ق م قرار پائیگا ایام قدیم مین فی صدی ایک نام
پشت نامہ کا محفوظ رکھنے کی عام عادت نظر آتی ہے،

قیصعا یا قضاعہ کے بعد اس کتبہ مین ہم کو کلاع کی شان یا کلاع کے غالب توانا حمر کا نام ملتا ہے
اسے ہم حمیر بن قضاعہ کا نام خیال کرین تو بے جا نہین، حمیر کے پوتے کا نام زید مناۃ بتاتا ہے، کہ بنو قضاعہ
مناۃ کو پوجتے تھے زیر بحث کتبہ مین مذکور ہے، کہ ذوالکفل کے کہنے سے لوگون نے مناۃ کا بت توڑا تھا،
اور چاند کی تصویر پھاڑی تھی،

یہودا خولان کے نام کا پہلا جزء یہودا یہ بتاتا ہے کہ خولان نے دین یہود کو قبول کر لیا، کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے اس کی تربیت کے لئے ریس الس اذ کو خولان کا اومن (رضاعی باپ) مقرر کر دیا تھا،
ان کی تربیت نے ان کو دین یہود یا، دوسرے لفظون مین دین موسیٰ کا پابند بنا دیا تھا،

یہودا خولان کے بعد اس خاندان کے دو شخصون کے نام اس کتبہ مین ہم کو ملتے ہین، ایک نام حادکا ہے جسے
نشوان نے بنو خولان کے ایک قبیلہ کا مورث بتایا ہے، دوسرا نام ۱۷۷ اکا ہے، جسے عدنانی عربی کے لہجہ

ین ہم پہلے پڑھ چکے ہین، یہ نام بہت اہم ہے، اس نام کی رو سے حضرت ذوالکفل کا تشخص پوری طرح ہو جاتا ہے، اس کتبہ مین ادمن اذ کو جن کا لقب اَلس تھا، جسے ہم اَلیس کا قدیم تلفظ بتا چکے ہین، اک للو یعنی لیلے کا شوہر بتایا گیا ہے،

تمام نسابون نے حولان کے چچیرے بھائی حلوان کی بیٹی لیلے عرف خندف کو حضرت الیاس ابن مضر کی بی بی بتایا ہے، حضرت الیاس بن مضر کے نام کی تشریح مین حسب ذیل باتین کہی گئی ہین،

(۱) وہ حضرت الیاس پیغمبر کے ہم نام تھے، (روض الانف بحوالہ ابن الانباری)

(۲) ان کا نام حرف تعریف اور یاس کا مجموعہ ہے (روض الانف)

(۳) الس (یعنی فریب) سے خیال کے وزن پر مشتق ہے، ( " " )

(۴) نام کی اصلی شکل آلس (ضعیف العقل) تھی ( " " )

(۵) اصلی شکل نام کی اَلیَس یعنی مرد شجاع تھی، ( " " )

ان توجیہون مین عام فہم توجیہ پہلی ہے، لیکن حضرت الیاسؑ پیغمبر کے نام کی اصلی صورت ایل یا تھی جس کے معنی ہین کہ "یا ہی خدا ہے" یہی اُن کی تعلیم تھی، ایام قدیم مین اکثر اسماء اشخاص کے مذہبی بول ہوتے تھے، یہ امر بجائے . . . خود ایک مستقل مضمون کا محتاج ہے، اس لئے اس جگہ اس دعوی کو بے دلیل ہی چھوڑنا بہتر ہے، ایل یا کا نام روما اور یونان پہنچ کر الیاس ہو گیا، حضرت الیاس بن مضر کے نام کو روما اور یونان کا سفر کر کے عرب واپس آنے کی ضرورت نہین تھی،

حضرت الیاس بن مضر اس عہد سے قبل کے ہین، جب اہل یورپ نے ۲۰۰ء اور ۳۰۰ء کے درمیان نصرانیت قبول کر کے موسیٰ، یونا، الیا، اور عیسیٰ کے نامون مین اسماء اشخاص کا لازمی یونانی لاحقہ "س" ملا کر ان نامون کو موسیس، یونس، الیس، اور جیسس بنایا، دوسری توجیہ ہم ہندوستانیون



کو شاید ناپسند ہو، مگر اس نام کی شرح یہ کی گئی ہے، کہ مضر سے الیاس اس وقت پیدا ہوئے، جب اُن کو اولاد سے مایوسی ہو گئی تھی، یہ توجیہ معقول ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت لفظ الیاس کی توجیہ نے پیدا کی، نہ یہ کہ اس روایت کی بنا پر وہ الیاس کہلائے، دوسری اور تیسری توجیہ ان باتون مین سے ایک ہے، جن کی بنا پر جیسا کہ سہیلی نے لکھا ہے،

| | |
|---|---|
| یذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا | نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے |
| الیاس فانہ کان مومنا | فرمایا الیاس کو بُرا نہ کہو وہ مومن تھے، |

صحیح توجیہ یہی ہے کہ ان کے نام کی اصلی شکل الیس تھی، عہد قرآن سے قریب تر زمانہ مین الیس کا لفظ جب کسی مرد کی صفت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، تو اس کا مطلب کبھی بہادر ہوتا تھا، اور کبھی دیوث، نام کی اصلی شکل الیس ماننے والون نے بہادر کے مطلب کو عرب کے اصول تسمیہ کے مطابق پایا مگر الیس دراصل سارا بوجھ اٹھا لینے والے اونٹ کی تعریف تھی، ایسا اونٹ نیک اور صابر ہوتا ہے، صالح و صابر ہونا ایام جاہلیت کے عربون کے نزدیک شرفاء کے لئے محمود صفت نہ تھی، اُن کے نزدیک تو یہ سخت توہین کی بات تھی، کہ کسی شخص کے متعلق کہا جاوے کہ

| | |
|---|---|
| یجزون من ظلم اھل الظلم مغفرۃ | ومن سوء اھل السوء غفرانا |
| کان ربک لم یخلق لخشیتہ | سواھم فی جمیع الناس انسانا |

وہ ظلم اور بدی کو معاف کر دیتے ہین گویا خدا نے اپنی خشیت کے لئے انھیں کو پیدا کیا ہے

اس تصور کے لوگ رجل الیس (صالح و صابر مرد) کو دیوث کے برابر سمجھتے تھے، لیکن لیلیٰ کے شوہر الیس الیس (ذوالکفل) کا خاص شرف خدا نے یہی بتایا، کہ وہ صابر و صالح تھے،

| | |
|---|---|
| واسمٰعیل وادریس وذا الکفل | اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو |
| کل من الصابرین وادخلناھم | (ہم نے دانائی بخشی) یہ سب صابرین مین سے تھے |

فرحمتنا الهم من الصالحین ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا،
وہ نیک لوگوں میں سے تھے،

بہرحال حضرت الیاس بن مضر کے نام کی شکل الیس تھی، یہ کتبہ الیس کو ll کا شوہر بتاتا ہے اور نساب عرب کی اجماعی روایت حضرت الیاس بن مضر کو لیلی کا شوہر بتاتی ہے، کتبہ کے اندر مذکور الیس الیس یقیناً حضرت ذوالکفل تھے، اس لئے ہم کو الیاس بن مضر کے ذوالکفل ہونے میں شبہہ نہیں ہے، لیکن اتنی بات ضرور کھٹکتی ہے، کہ حضرت الیاس بن مضر کی شان میں "نبی" کا لفظ قدما میں سے کسی کی طرف منسوب عبارت میں نہیں ملتا ہے، حالانکہ ذوالکفل پیغمبر تھے، الیاس بن مضر ذوالکفل ہوتے تو کوئی نہ کوئی ضرور اُن کو پیغمبر کہتا،

حضرت ذوالکفل کی بابت ابن جریر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ ذوالکفل نبی نہیں، صرف ایک مردِ صالح تھے، اس روایت پر چند اعتراض ہے جس پر بحث کا یہ محل نہیں، بہرحال اس روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ذوالکفل کی نبوت کا معاملہ مختلف فیہ تھا، اس لئے الیاس بن مضر کی شان میں نبی کا لفظ جو نہیں ملتا، وہ تعجب انگیز نہیں ہے،

کتبہ کے چند الفاظ بام، عوقن، اور عبر کی شرح ہم نے ارادۃً اس وقت چھوڑ دی ہے، کیونکہ اسی اطلس میں جس سے ہم نے یہ کتبہ لیا ہے، چند تحریریں اور بھی ہیں، جن میں اذ کا ذکر ہے، انشاء اللہ ان کتبات کو پڑھنے کے بعد ہم حضرت ذوالکفل کی پوری سوانح عمری نذرِ قارئین کریں گے، اس وقت ان الفاظ کی بھی تشریح کریں گے، اور ذوالکفل کے حالات کا الیاس بن مضر کے حالات سے مقابلہ کریں گے،

---



# اقبال اور "تصور فقر"

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ)

| | |
|---|---|
| فقرِ قرآن احتساب ہست و بود | نے رباب و مستی و رقص و سرود |
| فقرِ مومن چیست؟ تسخیر جہات | بندہ از تاثیر او مولیٰ صفات |

فقر اقبال کی نگاہ میں رہبانی نہیں بلکہ خودی کی عریانی ہے"، اپنی حقیقت کا جاننا ہے، کارِ خویش را سنجیدن است"[۱] اس کا طریقہ لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم و معنی کا جاننا اور اس کلمہ کی رو سے اپنی خودی کو فاش تر دیکھنا[۲] ہے اور اس کی تاثیر سے مولیٰ صفات" بن جاتا ہے"، خلیفۃ اللہ فی الارض" کا مقام حاصل کرتا ہے، بارِ امانت کا اٹھانا اس کا نتیجہ تسخیر جہات"[۳] ہے، نوامیسِ جہاں[۴] پر تصرف ہے، دنیا کے تمام سلطان و میر کو حلقہ بگوش کرنا[۵] ہے، سلاطینِ عالم کے سامنے لاملوک کا نعرہ بلند کرنا ہے[۶]، مختصر یہ کہ فقر ہی کی دل نوازی کا نام حکمتِ دین ہے،

---

| | | |
|---|---|---|
| ۱ | فقر کارِ خویش را سنجیدن است | بر دو حرفِ لا الٰہ پیچیدن است |
| ۲ | خودی را فاش تر دیدن بیاموز | |
| ۳ | فقرِ مومن چیست، تسخیر جہات | بندہ از تاثیر او مولیٰ صفات |
| | فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست | ما امینیم این متاعِ مصطفےٰ است |
| ۴ | فقر بر کرو بیان شبخون زند | بر نوامیس جہان شبخون زند |

۵ بندہ، فقر اک او سلطان و میر ۶ پیش سلطان نعرۂ او لاملوک،

اور فقر ہی کی بے نیازی کا نام "قوتِ دین" ہے، حکمت دین و قوتِ دین بغیر فقر کے ممکن نہین،

حکمتِ دین دل نوازی ہاے فقر　　　قوتِ دین بے نیازی ہاے فقر!

فقر کی اس دولت کو کھو کر مسلمان کے ہان نہ "دولت سلیمانی" رہی، اور نہ "دولتِ سلمانی" نہ حکمت ہی رہی نہ دولت و قوت ہی،

یہ فقر مرد مسلمان نے کھو دیا جب سے

رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی

مسلمانون کے نشاۃ ثانیہ کے لئے جو دولت پاکستان، اور حیدرآباد دکن مین انشاء اللہ تعالیٰ عمل مین آنے والی ہے، فقر کے معنی کا سمجھنا اور اقبال کے دلآویز و دل نشین انداز مین سمجھنا نہایت ضروری ہے، اقبال پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن فقر کے معنی کی وضاحت ابھی تک کسی نے کھول کر نہین کی، اور فقر کے لا متناہی قوت کے مبدء کی نشاندہی کسی نے صاف صاف طریقہ پر نہین کی، قوت و توانائی کے اس لامحدود مبدء کو اپنی ذات کے اندر رکھ کر بھی مسلمان حیران و پریشان ہے، "خستہ و ناتوان ہے" خوار و زار ہے، عارف روم کے الفاظ مین صورتِ حال یہ ہے:-

یک سبد پر نان فرق فرقِ سر　　　تو ہمی جوئی لبِ نان در بدر!

تا بزانوے میان قعرِ آب　　　وز عطش وز جوع گشتستی خراب (رومی)

آئیے اقبال کے ہدایات و اشارات پر عمل کرتے ہوئے، "ہم قرآن و خبر[۵] مین گم ہو کر فقر کے معنی کی تحقیق کرین!

**اقبال کے تصور فقر کے قرآنی مقدمات**

قرآن حکیم نے انسان کو فقیر کے لفظ سے خطاب کیا ہے، اور حق تعالیٰ کو غنی و حمید قرار دیا ہے،

۵؎ اندکے گم شد بقرآن و خبر　　　باز اے نادان بخویش اندر نگر



يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (پ ۲۲ ع ۱۵)

اے لوگو تم خدا کے محتاج اور اللہ بے نیاز خوبیون والا ہے،

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

اَللّٰهُ غَنِيٌّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (پ ۲۶ ع ۸)

اللہ بے نیاز ہے، اور تم محتاج ہو،

ہم فقیر ہین ملک و حکومت اصالتہً ہمارے لئے نہین حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے،

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ،

خدا ہی کے لئے ہے جو آسمانون، اور زمین مین ہے، اور نہ اس کا کوئی حکومت مین شریک ہے حکم کسی کا نہین بجز اللہ کے،

افعال کے خالق بھی ہم نہین اس معاملہ مین بھی ہم فقیر ہین، محتاج ہین، حق تعالیٰ ہی افعال کی تخلیق فرما رہے ہین، کیونکہ وہی خالق کل شے ہے،

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ، (پ ۲۳ ع ۷) اللہ نے پیدا کیا تمھین اور جو تم کرتے ہو،

اور ایک جگہ سلبی طور پر فرمایا گیا ہے،

أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، (سورۃ الرعد، آیت - ۱۶)

کیا انھون نے اللہ کے لئے شریک قرار دئیے ہین، کہ انھون نے کچھ پیدا کیا، جیسے اللہ نے پیدا کیا، پھر مشتبہ ہو گئی، پیدائش اُن کی نظر مین، کہدو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اور وہی واحد و قہار ہے،

بات عقلی طور پر بھی صاف ہے، اگر ہر شے کے خالق اللہ ہین، تو ہمارے افعال بھی آخر کوئی شے ہین، اور اُن کے خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہون گے، "اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" اور "خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ"

سے استناد کر کے سلف صالحین رحمہم اللہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ ہمارے افعال کے خالق حق تعالیٰ
ہی ہیں، اور ہمارا فقر بیان بھی عقلاً و نقلاً ظاہر ہو رہا ہے،

صفاتِ وجودیہ ایجابیہ جو انسان میں پائے جاتے ہیں، ان کی اصل سات صفات ہیں، حیات
علم، قدرت، ارادہ، سمع و بصر و کلام، یہ صفات اصالۃً حق تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، اور قرآن
حصر و قصر کے ساتھ انھیں حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کر رہا ہے، اور انسان کو اس لحاظ سے بھی
فقیر بتلا رہا ہے، ملاحظہ ہو،

حیات حق تعالیٰ ہی کی، هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (۳ ع ۹)

علم و قدرت حق تعالیٰ ہی کے لئے، وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (۲۱ ع ۹)

ارادہ یا مشیت ان ہی کے لئے، وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (۲۹ ع ۲۰)

سماعت و بصارت ان ہی کے، وَإِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۱۵ ع ۱) اور أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ (۱۱ ع ۹)

اب رہا وجود تو وہ بھی حقیقی طور پر حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے، اللہ لا الٰہ الا ھو الحی
(۳ ع ۹) سے اس کا ثبوت مل رہا ہے،

وجود کے چار مراتب ہوتے ہیں، اولیت، آخریت، ظاہریت، باطنیت، آیہ کریمہ :-

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱ ع ۲)

سے وجود کے چاروں مراتب کا حق تعالیٰ ہی کے لئے ہونا حصراً ثابت ہو رہا ہے، اس فقر کا احساس
ہوتے ہی عارف کی زبان سے یہ چیخ نکلتی ہے،

میرا مجھ میں کچھ بھی نہیں سب ہے تیرا
تیرا تجھ کو دینے سے کیا جاتا ہے، میرا



عارف روم نے اسی کیفیت کو یوں پیش کیا ہے،

چیست توحید خدا آموختن — خویشتن را پیش واحد سوختن
گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز — ہستی ہمچون شمع شب خود را بسوز
زانکہ ہستی سخت مستی آورد — عقل از سر شرم از دل می برد
ہر کہ از ہستی خود مفقود شد — منتہائے کار او محمود شد

جاوید نامہ میں اقبال وجود، صفات افعال و آثار کی نسبت صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف کرتے
ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں :-

می شناسی طبع ادراک از کجاست — جوہرے اندر نگہ خاک از کجاست؟
طاقت فکر حکیمان از کجاست — قوت ذکر کلیمان از کجاست؟
این دل و این واردات از کیست — این فنون و معجزات از کیست؟
گرمیٔ گفتار داری از تو نیست — شعلۂ کردار داری از تو نیست!
این ہمہ فیض از بہار فطرت است — فطرت از پروردگار فطرت است!

دعوتی کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے بھی عین عرفان فقر حاصل ہوتا ہے، "لا" ذوات خلق سے غیر اللہ
سے الوہیت کی نفی کرتا ہے، ربوبیت کی نفی کرتا ہے، افعال و صفات و وجود کی نفی کرتا ہے، اور "الا"
ان ہی اعتبارات کا ذات اقدس میں اثبات کرتا ہے، اس طرح لا الٰہ الا اللہ سے عین ذات خلق کا فقر اور
ذات حق کی غنا حاصل ہوتی ہے، اور اقبال کا یہ قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے،

فقر کار خویش را سنجیدن است — بر دو حرف لا الٰہ پیچیدن است

یہ تفسیر ہے آیت کریمہ کی :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ،

فقر کے معنی کا تعین قرآن حکیم سے یہی ہوتا ہے، کہ وجود صفات و افعال و ملک و حکومت امانۃً ہمارے لئے نہیں، صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، فقر کے امتیاز سے خود بخود ہمیں "امانت" کا امتیاز حاصل ہو جاتا ہے یعنی ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے، کہ وجود اور اس کے یہ اعتبارات ہم ہیں من حیث الامانت پائے جاتے ہیں، ہم حق تعالیٰ کے ان اعتبارات کے امین ہیں، بالفاظ دیگر ہم حق تعالیٰ ہی کے وجود سے موجود ہوں، ان ہی کی حیات سے زندہ ہوں، ان ہی کے علم سے جانتا ہوں، اُن ہی کے قدرت و ارادہ سے قدرت و ارادہ رکھتا ہوں، ان ہی کی سماعت سے سنتا، ان ہی کی بصارت سے دیکھتا، اور کلام سے بولتا ہوں، اس کو صوفیہ نے اپنی اصطلاح میں "قرب نوافل" سے تعبیر کیا ہے، یعنی حق تعالیٰ ہی کے لئے وجود اور صفاتِ وجودیہ اصالۃً اور بطور حصر ثابت ہیں، اور ہماری طرف ان کی نسبت امانۃً ہو رہی ہے، بخاری کی اس حدیث کا یہی منشا ہے،

| | |
|---|---|
| کُنتُ سَمعَهُ الَّذِی یَسمَعُ بِه و | ہوتا ہوں میں اس کی شنوائی جس |
| بصرہ الذی یبصر به ویدہ | سے وہ سنتا ہے، اور بینائی جس سے وہ |
| التی یبطش بها ورجلہ التی | دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے |
| یمشی بها | اور پیر جس سے وہ چلتا ہے، |

فقر و امانت کے نتیجہ کے طور پر عبد کو خلافت اور ولایت حاصل ہوتی ہے، جب وہ اماناتِ الٰہیہ (وجود و صفات وجودیہ ایجابیہ) کا استعمال کائنات کے مقابلہ میں کرتا ہے، تو خلیفۃ اللہ فی الارض کہلاتا ہے، اور جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کرتا ہے، تو "ولی" ہوتا ہے، عبد اللہ کے بھی چار اعتبار ہیں فقر، امانت، خلافت، ولایت، اللہ کیا شان ہے عبد اللہ کی،

تو بقیمت ورائے ہر دو جہانی
چہ کنم قدر خود نمی دانی



قرآن و خبر سے فقر و امانت خلافت، ولایت کے اعتبارات کو اخذ کر کے اقبال نے فقر کی اس طرح توضیح کی ہے،

| | |
|---|---|
| چیست فقر اے بندگانِ آب و گل | یک نگاہ راہ بین یک زندہ دل |
| فقر کارِ خویش را سنجیدن است | بر دو حرف لاالہ پیچیدن است |

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| فقر قرآن احتسابِ ہست و بود | نے رباب و مستی و رقص و سرود |
| فقر مومن چیست تسخیر جہات | بندہ از تاثیر او مولیٰ صفات |

فقر قرآنی نے صفاتِ وجودیہ کی نفی ذات عبد سے کی، اور ذاتِ حق میں اُن کا اثبات کیا، پھر انہی ہی صفاتِ وجودیہ کا اثبات امانۃً ذاتِ عبد میں کیا[1]، اور اس طرح فقر کی تاثیر سے بندہ مولی صفات ہو گیا، جب بندۂ مومن کو یہ علم قرآن نے عطا کیا، کہ وہ حق تعالیٰ ہی کے وجود سے موجود ہے، اور ان ہی کی حیات سے زندہ ہے، اُن ہی کے علم سے جانتا ہے، اور اُن ہی کے قدرت و ارادے سے قدرت و ارادہ رکھتا ہے، تو اب اس پر حیات [illegible] متناہی، قوت لامحدود اور ارادۂ مطلق سے اپنا ربط و تعلق واضح ہو جاتا ہے، وہ جان لیتا ہے کہ اس کی ذات مظہر ہے جس سے حق تعالیٰ ہی کی قوت مطلقہ کا ظہور ہو رہا ہے، اب اس قوت لامحدود کے آگے ماہ و مہر لرزہ براندام ہوتے ہیں، نوامیس جہان سرنگوں ہو جاتے ہیں،

| | |
|---|---|
| فقر چون عریان شود زیر سپہر | از نہیب او بلرزد ماہ و مہر |
| فقر عریان گرمیٔ بدر و حنین | فقر عریان بانگ تکبیر حسین |
| فقر خیبر گیر با نانِ شعیر | بستۂ فتراکِ او سلطان و میر |

---

[1] اس عمل کو صوفیۂ کرام اثبات کا اثبات" کہتے ہیں،

فقر بر کروبیان شبخون زند بر نوامیس جہان شبخون زند
بر مقام دیگر اندازد ترا از زجاج الماس می سازد ترا

حق تعالیٰ کی لامحدود قوت کو استعمال کرنے والے، فقرا مین وخلیفہ کے آگے سلاطین جہان بھی لرز جاتے ہین، انھین اس سے مقابلہ کی تاب کہان،

باسلاطین در فتد مرد فقیر، از شکوہ بوریا لرزد سریر
از جنون می افگند ہوے بہ شہر وارہاند خلق را از جبر و قہر
قلب او را قوت از جذب وسلوک پیش سلطان نعرہ او لاملوک!

اس کا راز یہی ہے کہ فقیر کی صورت سے حق تعالیٰ ہی کی قوت کا ظہور ہوتا ہے، فقیر اس قوت لامحدود کا محض محل ظہور یا جلوہ گاہ بن جاتا ہے،

وہ فانی ز خویش باقی بحق ہو جاتا ہے، اس مین حق کی قوت متجلی ہوتی ہے وہ بندہ ہے، لیکن مولیٰ صفات ہے، اس کی قوت کا مقابلہ کائنات کی کوئی محدود و مقید قوت نہین کرسکتی، اقبال کے الفاظ مین "زجاج" یا شیشہ سے الماس کی قوت کا ظہور ہوتا ہے، حق کی اس قوت کا ادراک معیت حق کا یہ شعور اس کو بے خوف مرد مجاہد بنا دیتا ہے، اس کے قلب سے خوف نکل جاتا ہے، وہ سر بکف ہو جاتا ہے، کیفیت کے اس انقلاب کی اقبال نے ان الفاظ مین تصویر کھینچی ہے،

مرد حر محکم ز ورد "لاتخف" ما بمیدان سر بجیب او سر بکف
مرد حر از لا الٰہ روشن ضمیر می نہ گردد بندۂ سلطان و میر
پاے خود را آنچنان محکم نہد نبض رہ از سوز او بر می جہد
جان او پایندہ تر گردد ز موت بانگ تکبیرش برون از حرف و صوت

معیت حق کا یہی ادراک مومن کو فاتح کائنات بنا دیتا ہے، کوئی مشکل اس کو ہراسان و



خوف زدہ نہین کرسکتی، کوئی واقعہ خواہ وہ کتنا ہی خطرناک کیون نہ ہو اس کو پریشان نہین کرسکتا جیس طرح باز اپنے شکار سے نہین رکتا اور شاہین افلاک کی سیر سے باز نہین رہتا، اس طرح مرد مومن حق تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاکر اُن کو اپنا قوت بازو و ناصر جان کر کسی مشکل کی پرواہ نہین کرتا، یہ جہان آب و گل اس کا شکار بن جاتا ہے،

صید مومن این جہان آب و گل باز را گوئی کہ صید خود بہل!
حل نہ شد این معنی مشکل مرا شاہین از افلاک بگریزد چرا!

مومن کی نگاہ مین کوئی فانی شے نہین جچتی، وہ غنی عن الاشیاء ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی حول و قوت سے وہ افلاک سے بھی مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اُن کی تسخیر کی قوت وہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کا مژدہ جان فزا اس کی توانائیون مین لامحدود اضافہ کرتا ہے،

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہین کنجشک و حمام اس کی نظر مین جبریل و اسرافیل کا صیاد ہے مومن

مومن کی اس غیر معمولی فوق فطرت قوت و توانائی کا راز سوائے اس کے کچھ نہین کہ وہ حق کی قوتون کو اپنے اندر موجود پاتا ہے، حق تعالیٰ کی معیت کا قوی ادراک رکھتا ہے، حق تعالیٰ کو ہمیشہ ساتھ پاتا ہے، اُن کے حضور مین اپنی زندگی کا ہر لمحہ گذارتا ہے، اور اس کو اس امر کا پختہ یقین، قوی اذعان ہوتا ہے، کہ حق تعالیٰ اس پر رحیم ہین، اور ان کا فضل ہر لحظہ اس کے شامل حال ہے، اور زندگی اس کے لئے خیر ہے، اور زندگی کا ہر واقعہ خیر برتر کی طرف اس کی رہنمائی کر رہا ہے، اس کی زبان پر یہ دعا رہتی ہے،

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ ضَعِیۡفٌ فَقَوِّنِیۡ حق تعالیٰ مین ضعیف ہون، قوت عطا

رضاک ضعفی وخذ الی الخیر بناصیتی، واجعل الاسلام منتھی رضائی

آپ کے لئے ہے، میرے ضعف کو قوت میں بدل دیجئے، میری ذات سے اپنی قوت کا اظہار فرمائیے آپ کی خوشنودی کی تکمیل دبجاآوری کی خاطر مجھے قوی کر دیجئے اور خیر کی طرف مجھے لیجائیے اور میری رضا کا منتہیٰ

[illegible]

مومن دعا اجابت کے ایقان کے ساتھ کرتا ہے، ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ، اس کا ضعف قوت سے بدل جاتا ہے اس کا فقر غنا سے، اس کی ذلت عزت سے، وہ فقیر ہے، لیکن حق تعالیٰ کا وجود، اور ان کی صفاتِ وجودیہ کو اپنے اندر رکھتا ہے، ان کے ادراک سے وہ قوی غنی اور عزت والا ہوجاتا ہے، اقبال اس انقلاب کو یون بیان کرتے ہین،

ہمچنان از خاک خیزد جان پاک  سوے بے سوئی گریزد جان پاک
در رہ او مرگ وحشر و حشر و مرگ  جز تب و تابے ندارد ساز و برگ
در فضاے صد سپہر نیلگون  غوطہ ہیم خوردہ باز آید برون
می کند پرواز در پہناے نور  مجلسش گیرندہ جبریل و حور،

تا ز ما زاغ البصر گرد نصیب
بر مقام عبدہٗ گردو رقیب!

معیتِ حق کا ہر لحظہ ادراک مومن کو ہر لحظہ نئی شان بخشتا ہے، وہ حق تعالیٰ کی تجلیات کا عکس بن جاتا ہے، گفتار و کردار مین وہ حق ہی کی صفات کو ظاہر کرتا ہے، اعدا کے خلاف وہ حق کی صفت قہاری وجبروت کا مظہر ہے، تو آپس مین رحم و غفاری کا مجلی، اس کی سیرت کی تطہیر حق تعالیٰ اپنی خاص توجہ سے فرماتے رہتے ہین، اور اس مین اپنی قدوسیت کی تجلی کرتے جاتے ہین، اور وہ



رفعت وعلو بخشتے ہین، کہ وہ ہمسایہ جبرئیل امین بن جاتا ہے، وہ بظاہر تو قاری قرآن ہے، لیکن صفت کلامِ حق کا مظہر ہونے کی وجہ سے خود قرآن ہوتا ہے، حق تعالیٰ کے مقاصد کا ظہور اس ہی کے ارادون کی صورت مین ہوتا ہے، حق تعالیٰ ......

کی رحمت وجلالت کی تجلی گاہ اس کا قلب ہوتا ہے، مومن خود تو فقیر ہے، لیکن اس فقر کی وجہ سے صفات ایجابیہ حق کا جلوہ اس کی صورت سے ہر آن ہوتا ہے، وہ فانی ز خویش باقی بحق ہے، کس خوبی سے اقبال نے اس مفہوم کو ادا کیا ہے،

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن  گفتار مین کردار مین اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی وجبروت  یہ چار عناصر ہون تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امین بندۂ خاکی  ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہین معلوم کہ مومن  قاری نظر آتا ہے حقیقت مین ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے  دنیا مین بھی میزان قیامت مین بھی میزان
جس سے جگر لالہ مین ٹھنڈک ہو وہ شبنم  دریاؤن کے دل جس سے دہل جائین وہ طوفان

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ مین یکتا صفتِ سورۂ رحمان

فقر ہی کی وجہ سے مومن حق تعالیٰ کا امین ہے، خلیفہ ہے اور ولی ہے، اسی لئے اقبال صفتِ فقر کی مسلمانون کے حق مین دعا کرتے ہین، ع

اللہ کرے تجھکو عطا فقر کی تلوار

اللھم ارزقنا ھذا المقام،

——— . ———

# دو کتابین

از

جناب شیخ فرید ایم اے برہانپور

چند نادر الوجود مخطوطات" کے عنوان سے معارف نمبر ۴ جلد ۵۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء مین ایک مقالہ شائع ہوا، ہر، فاضل مقالہ نگار کے مختصر اور جامع نقد و تبصرہ کے بعد اُن مخطوطات کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، تاہم سطور ذیل مین بدائع الانشاء اور المعتمد فی المعتقد پر مکرر تبصرہ کو پیش کرنے کی جرأت کی گئی ہے،

بدائع الانشار

مغلیہ دور مین انشاء علوم کی اہم شاخ سمجھی جاتی تھی، "مغلون کے نظام حکومت" مین سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ "مغلون کا راج کاغذی تھا" ایک منظم اور باقاعدہ دفتر انشاء مین امور سلطنت مرکوز تھے، سلاطین اور امراء کے خطوط کے مجموعہ طلبہ کے لئے مفید سمجھے جاتے تھے، بہت سے مجموعے بطور درسی کتب کے متداول تھے، زبان کے نقطۂ نگاہ کے علاوہ یہ مجموعے اس لئے بھی بے حد اہم ہین، کہ اُن مین تاریخی مواد ہے،

انشاء کی کتابون کی عموماً دو صورتین ہوتی تھین، (۱) یا کوئی منشی نفس فن پر کوئی کتاب لکھتا تھا، (۲) یا سلاطین اور وزراء کے خطوط طلبہ کے استفادہ کے لئے مجموعہ کی شکل مین شائع کر دیئے جاتے تھے ان ہر دو قسمون کی تصانیف کی کافی تعداد ہندوستان مین موجود ہے،

ہندوستان کی قدیم ترین انشاء کی کتابین حسب ذیل ہین:-

(۱) رسائل الاعجاز خسروی (۷۱۵ھ)[1] (۲) مناظر الانشاء خواجہ محمود گاوان ۸۸۲ھ[2]

---

[1] ۷۱۵ھ مین خسرو نے اس ضخیم کتاب کے چار حصے لکھے تھے، ۷۱۹ھ مین ایک اور کا اضافہ کیا [2] قلمی نسخہ،



(۳) ریاض الانشاء[3] خواجہ محمود گاوان (۸۷۶ھ) (۴) نامۂ نامی[4] غیاث الدین محمد ۹۲۵ھ (۵) انشائے شاہ طاہر الحسینی ۹۳۶ھ (۶) بدائع الانشاء ۹۴۰ھ

حالاتِ یوسفی

بدائع الانشاء کا مصنف حکیم یوسف بن محمد متخلص بہ یوسفی ہرات کا باشندہ اور شہنشاہ بابر کا طبیب خاص تھا، عہد ہمایون اُس کے لئے ہمایون ثابت ہوا، طبابت کے علاوہ دبیری کی خدمت بھی اس کو تفویض ہوئی، طب مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اور فارسی و عربی علم و ادب مین بھی عبور حاصل تھا، انشاء اور طب مین اس کی کئی تصانیف ہین، صحتِ عامہ اور اصولِ حفظانِ صحت کے بیان کے لئے اُس نے اصنافِ سخن مین سے قصیدہ کو منتخب کیا، استاذ محترم شمس العلماء عبد الغنی صاحب نے یوسفی کی حسب ذیل اہم تصانیف کا ذکر کیا ہے،[5]

(۱) ریاض الانشاء[6]، مفرد و مرکب ادویات جڑی بوٹیون کے خواص اور نسخہ جات پر مشتمل رسالہ کہ ہمایون کے نام پر معنون ہے، ۹۴۶ھ آغازِ تصنیف ہے،

(۲) جامع الفوائد، اس رسالہ مین عام دواؤن کے استعمال، فوائد اور نقصانات سے بحث کی گئی ہے اسے ریاض الادویہ کا خلاصہ سمجھنا چاہئے،

(۳) قصیدۂ حفظِ صحت حفظان صحت کے خاص اصولون پر ایک مسلسل نظم ہے، ۹۳۷ھ مین شہنشاہ بابر کے نام پر

---

[3] بنگال ایشیاٹک سوسائٹی مجموعۂ کرزن حصہ دوم عدد نمبر ۱۲۰ [4] معارف ستمبر ۱۹۴۲ء [5] تاریخ ادب و زبان فارسی در عہد مغلیہ حصہ دوم ص ۴، ۱۹۲۹ء [6] انڈین پریس الہ آباد کی غلطی سے اس کا نام ریاض الادویہ کے بجائے ریاض الانشاء چھپ گیا ہے، فہرست نگار بنگال ایشیاٹک سوسائٹی آیوانانے مجموعہ کرزن حصہ دوم مین ریاض الادویہ کے مخطوطہ کی کیفیت یہ بیان کی ہے "مفرد و مرکب ادویات پر ایک کتابچہ ہے، ۹۴۶ھ مین ختم ہوا، ہمایون کے نام پر معنون ہے، اس کا ایک نسخہ بذیل عدد ۸۰۰۴ برٹش میوزیم مین ہے، ادویہ کے اسماء اور خواص حروف تہجی کی ترتیب سے ہین، کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے، زیر نظر مخطوط (عدد ۵۹۱) مین صرف پہلا باب ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:-

الحمد للّٰه الذی خلق لکل داء دواء وجعل الخ محفوظ کرم خوردہ ہے،

معنون کی گئی،

۴۔ بدائع الانشاء - فنِ انشاء پر مبسوط کتاب ہے، جس میں مکتوب الیہ کے رتبہ، پیشہ اور عمر کے مطابق مناسب القاب و آداب کا بیان ہے، مصنف نے اپنے نور نظر رفیع الدین اور دوسرے طلبہ کے استفادہ کے لئے اس کو تصنیف کیا تھا، یہ کتاب لاہور دہلی اور لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہو گئی ہے،

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ہے، کہ یوسفی ہمایون کا منشی شاید وہی حکیم یوسف بن محمد ہروی ہے جو بابر کا طبیب خاص بھی رہا ہے، ادبیاتِ فارسی میں بدائع الانشاء کی بدولت اسے خاص مرتبہ حاصل رہا ہے انشائے یوسفی پر مختصر تبصرہ کے بعد لکھتا ہے، کہ یہ کتاب ۱۸۴۳ء میں دہلی میں چھپ کر شائع ہوئی، کتابِ مذکور کے نسخے عام طور سے ملتے ہیں، صاحب بدائع الانشاء مولانا یوسفی اگر حقیقۃً حکیم یوسف ہی ہیں، تو فنِ طب میں وہ تصانیفِ ذیل کے بھی مالک ہیں،

(۱) طب یوسفی، (طبع کانپور ۱۸۷۲ء)

(۲) علاج الامراض (طبع ۱۸۶۳ء)

(۳) تحفہ علاج الامراض (طبع ۱۸۷۹ء)

(۴) دلائل النبض (طبع ۱۸۷۲ء)

یوسفی کی تصانیف کے متعلق برتھیلس (Berthels.) مشکوک ہے، صاحب بدائع الانشاء[1] اور مذکورہ بالا طب کی کتابوں کا مصنف اصل میں ایک ہی حکیم یوسف بن محمد ہروی ہے،

مخطوطات رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے فہرست نگار آئیوناف نے یوسفی کی

---

[1] دین دیال فتح پوری نے جو نواب محمد اردشیر کا ملازم تھا، نمونہ کے خطوط کا ایک مجموعہ موسوم بہ انشائے بدائع ۱۱۵۲ھ میں مرتب کیا ہے، "چہ نسخہ گیا" مادۂ تاریخ ہے،



حسب ذیل تصانیف[1] کا ذکر کیا ہے،

(۱) فوائد الاخیار :- یہ منظوم رسالہ اصول حفظان صحت اور معالجات پر مشتمل ہے، قطعات میں طبی مشورے دیئے گئے ہیں، ۹۱۳ھ مطابق ۱۵۰۷ء کی تصنیف ہے، مادۂ تاریخ "فوائدِ اخیار" ہے، ذیل کے اشعار افتتاحی ہیں،

بدان چونکہ گفتی سپاس و درود    کہ در فنِ طب است این قطعہا

فوائد شدش نام ہر حرف ازو    زدریای حکمت درِ بے بہا

بیا یکدم اے بختِ فرخندہ جام    کہ فرخندگی از تو نبود جدا

بلطفم چنان کن از ان پیشتر    کہ از اوجِ سویم آمد ندا

با تمام این نسخۂ دل فریب    فوائد رسانم بہ خلقِ خدا

۹۱۳ھ۔ ۱۵۰۸ء کی تصنیف ہے، مادۂ تاریخ "فوائد اخیار" ہے

بہ دست یاری کلکم شد این سال تمام    کہ آفتے نہ رسد ز انقلاب ایامش

بخواندش، بفوائد رسند چون اخیار    بود فوائد اخیار سال اتمامش

(۲) ستہ ضروریہ : نثر میں ہے، اس میں اصول و قواعد حفظانِ صحت کا بیان ہے، ابتدا حسب ذیل ہے :-

الحمد للّٰہ المنعم الحیوۃ النفوس و صحۃ الاجسام والصلوٰۃ علیٰ واضع قانون الشرع و من یتبعہ الی یوم القیام، اما بعد این نسخہ موسوم ایست بہ ستہ ضروریہ کہ توجہ از شرائط حفظان صحت است" و تامل در ان از ارباب فطنت است"

---

[1] رسائل یوسفی عدد ۱۵۴۳، فہرست مخطوطات کتب فارسیہ مجموعہ کرزن جلد دوم ص ۲۶۹ ۵۲ فوائد الاخیار ۸۰ + ۶۰ + ۱ + ۴ + ۴ + ۱ + ۴۰۰ + ۱ + ۱۰ + ۲۰۰ = ۹۱۳

رسالہ ہمایون کے نام معنون ہے،

| | |
|---|---|
| درزمانِ خسروی ترتیب یافت | کاسمان بارعطایش برنتافت |
| داور دوران ہمایون شاہ کہ ہست | پیش خاک درگہش افلاک پست |
| آنکہ ماہ و برج تمکیں آمدہ | آفتابِ ملت و دین آمدہ |
| آنکہ از اولاد پاک مصطفےٰ است | آنکہ سرتاپاے او نور صفاست |
| آنکہ چوں ماہ ضیا تابندہ شد | آنکہ غوثِ روزگارش بندہ شد |
| یوسفی زادم کہ از بخت سعید | آمدہ اورا غلام زرخرید |
| جزدعاے او نگوید روز و شب | جز رضاے او نجوید روز و شب |
| بادتاپایاست چرخ نیلگون | دولتِ اقبال او ہردم فزون |

بردلش ہرگز غبار غم مباد
یک سرمو از سراو کم مباد

مقدمہ مین تبلایا ہے، کہ طب سے غرض حفظ صحت اور ازالۂ مرض ہے، اور حفظ صحت چھ چیزون سے ممکن ہے،

(۱) ہوا (۲) ماکول و مشروب (۳) حرکت و سکونِ بدنی (۴) حرکت و سکونِ نفسانی (۵) نوم و یقظہ (۶) احتباس و استفراغ، ۹۴۴ھ کی تصنیف ہے،

| | |
|---|---|
| یافت درسال نہصد و چل چار | ہمت ختم صورتِ اتمام |
| این رسالہ کہ باد فائدہ مند | ہمہ آفاق را چہ خاص و چہ عام |

(۳) **دلائل النبض**:- تشخیص نبض پر مختصر رسالہ ہے، رسالہ کی ابتدا اس طرح کی ہے؛
"الحمد للہ رب العالمین النافع الحکیم العلام والصلوٰۃ علیٰ ذیل الانبیاء



واولادہ الکرام واصحابہ العظام، امّا بعد پوشیدہ نماند کہ این سطرے چند ازصناعتِ طب دراد لۂ نبض برحال بدن کہ جہت طالبانِ این مرقوم شد، و بدلائل النبض موسوم گشتہ،

سالِ تصنیف ۹۴۲ھ ہے، قطعۂ تاریخ ہے،

| | |
|---|---|
| ذو رقم خامۂ ام دلائل نبض | نظرے کن تا لطف فرمائے |
| تاشود نبض[1] سال تاریخش | دہ زصد کم دکن دبرو افزاے |

(۴) **دلائل البول**:- بول کے خواص اور مشاہدہ سے بیماریون کی تشخیص کے بارے مین ایک رسالہ ہے، اس رسالہ کی ابتدا اس طرح کی ہے

"بعد از سپاس حکیم مطلق جل ذکرہٗ پس از درود رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ"۔

سببِ تصنیف امیرانِ سلطنت کا اصرار بتلایا ہے:-

"مخفی نماند کہ چون رسالہ دلائل النبض باختتام انجامید بخاطر بعضے از مخادیم واعزہ چنان رسید کہ دراد لۂ بول نیز چند کلمہ نوشتہ شود وحرفے چند نگاشتہ گردد، لاجرم این رسالہ کہ بدلائل بول موسوم است درحیز عبارت و قید کتابت آمد،

مادۂ تاریخ "قارورہ و چہار[2] صد و سی فزا بران" ہے،

| | |
|---|---|
| احکامِ بول راند ز فکر یوسفی | بہر تو جمع کرد ز جمیع برادران |

---

[1] نبض + دہ زصد کم = ۵۰ + ۲ + ۸۰۰ + ۱۰۰ + ۱۰ = ۹۴۲ ، نولکشور پریس کے مطبوعہ نسخہ مین آخری مصرع یون ہے، "نبض گیرو نود بروافزاے" [2] قارورہ چہار صد و سی = ۱۰۰ + ۱ + ۲۰۰ + ۶ + ۲۰۰ + ۵ + ۴۳۰ = ۹۴۲

تاریخ سال تا کہ شود روشنت بگیر — قارورہ چہار صد و سی فزاں بزن

(۵) **جامع الفوائد**:- اس کتاب مین انسانی جسم کے تمام امراض کا بیان ہے، مصنف نے اپنے منظوم علاج الامراض کو اس کتاب مین شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ کتاب ہرات مین ۹۱۷ھ۔ ۱۱-۱۵۱۰ء لکھی گئی، یورپ کے کئی کتب خانون مین اس کے نسخے ہین،

آغازِ کتاب یون ہے:-

"حمد نامحدود حکیمے راکہ بقانونِ حکمت کاالصناعۃ ارجمتش دافع انواع امراض ورافع انواع اعراض است...... بندۂ ضعیف کینت نحیف المستشفی بشفاء النافع المجیب یوسفی ابن محمد ابن یوسف الطبیب ستر اللہ عیوبہٗ وغفر ذنوبہٗ کہ چون بتوفیق حضرت فیاض رسالہ علاج الامراض کہ ہر مرض و دواے ہر عرض دروے مسطور و مذکور است، صورتِ التیام و منتِ نظام یافت بشرفِ مطالعۂ بعضے فضلاے نامدار کہ ایشان را باین ضعیف بے مقدار التفاتے می بود، مشرف گردید، فرمودند کہ کتابے در شرح مشکلاتے و طریق ترتیب مرکباتے کہ در آن رسالہ مبین و معین است، با زوائد، فوائد و فرائد قواعد از علامات امراض و امانات اعراض وغیرہ باید نوشت تا از منافعِ آن کافۂ انام از خواص و علم مستفید بہرہ مند گردند لاجرم عنان شب دیز قلم را بصورت این مرقوم کہ جامع الفوائد موسوم است معطوف ساختم"

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے قلمی نسخہ تحفۃ المسیحا (عدد ۶۱۰) کے تین سے ستائیس صفحات کے حواشی پر جامع الفوائد نقل ہے،

---

۱۰ ارمضان ۹۱۷ھ مطابق ۱ دسمبر ۱۵۱۱ء تاریخ اختتام تصنیف ہے، علاج الامراض کا اختتامی

---

انڈیا آفس لائبریری (عدد ۲۳۹۰،۲۳۹۳) باڈلین لائبریری (شمارہ ۱۵۹۱) برٹش میوزیم (عدد ۱۳۸۰)



شعر یہ ہے:-

اے کہ خواہی تندرستی از در حکمت، درآ — تا بہ علت ہاے گونا گون نگردی مبتلا

(۶) **رسالہ ماکول و مشروب**:- اس مختصر اور منظوم رسالہ مین طعام کے آداب و فوائد کا بیان ہے، ۹۰۶ھ مطابق ۱۵۰۰ء کی تصنیف ہے، خوش سے سالِ تاریخ نکلتا ہے، ابتدائی اشعار درج ذیل ہین،

زبان را چو در اول این کلام — زحمد و تحیت رساندی بہ کام

بدان اے خردمند روشن ضمیر — کہ گوید چنین یوسفیِ حقیر

کہ این نسخہ بہر تو کردم رقم — ز تدبیر ماکول و مشروب ہم

در آندم کہ این نسخہ منظوم شد — بماکول و مشروب موسوم شد

چو از چہرہ این ماہ برقع کشود

مرا سال تاریخ او خوش نمود

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مین ایک رسالہ ماکول و مشروب بذیل عدد ۱۱۸۰ علیحدہ محفوظ ہے، اس پر آئیوناف نے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے،

"مفید با خصہ ماکولات و مشروبات پر منظوم رسالہ ہے، نواب میسور ٹیپو کی مدح مین جابجا طویل قصائد داخل کر دیئے گئے ہین، یہ رسالہ ٹیپو کے اس دربار کی عامیانہ اور سوقیانہ اتریخ ہے، جو قدامت پرستی تعصب اور اوہام کا مرکز تھا، ۱۲۲۳ھ محمدی مولود کی تاریخ اختتام نظم ہے، مصنف کے نام کا پتہ نہین چلتا، اسٹھے (Sthe) اور (Pertsch) کے خیال کے مطابق اس کا مصنف یوسفی تھا، شاید اس کا اصلی نام عبدالقادر ثنا خوان ہوگا،

رسالہ ماکول و مشروب بخط عبدالقادر ثنا خوان تیرہویں صدی ہجری کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے، افتتاحی شعر ہے،

زبان را چو در اوّلِ این کلام
ز حمد و تحیت رساندی بہ کام

کاغذ بوسیدہ، خط شکستہ نستعلیق، مخطوطہ خستہ حالت میں ہے، جابجا آب رسیدگی کے نشانات ہیں"

مندرجۂ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے، کہ سلطان فتح علی والی میسور کی شان میں طویل قصائد دیکھ کر فاضل مستشرق کا دماغ تعصب کا شکار ہو کر تحقیق کی راہ سے دور جا پڑا تھا اور پرٹسنگ اس رسالہ کو تصریح کے ساتھ یوسفی کی تصنیف بتلاتے ہیں، مگر فاضل فہرست نگار کو شک ہے کہ مصنف کا اصلی نام عبدالقادر ثنا خوان ہوگا، خاتمہ کی عبارت بتلاتی ہے، کہ عبدالقادر کاتب ہے، مگر مصنف افتتاحی شعر بھی حرف بہ حرف ملتا ہے کسی نظم (قصیدہ) میں ۱۲۲۳ھ محمدی مولودی سنہ ہوگا، رسالہ ماکول و مشروب کا سنہ تصنیف ۹۰۲ھ ہے، ممکن ہے، بعد کے کسی شخص نے یوسفی کے اس رسالہ میں قصائد ٹھونس کر صلہ کی طمع میں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کی نیت کی ہو، مگر مدح گو اس سعی میں ناکام معلوم ہوتا ہے، مخطوطہ پر سلطان کے کتب خانے کی مہر کے نشان کا ذکر نہیں، کسی طامع اور حریص کی مدح کی بنا پر سلطانی دربار کو مطعون کرنا محض تعصب اور کینہ پروری ہے،

نول کشور پریس سے ۱۹۱۴ء میں طب یوسفی معہ رسائلِ ذیل شائع ہوئی ہے،

۱- رسالہ نبض
۲- رسالہ قارورہ
۳- رسالہ ستہ ضروریہ
۴- مقطعاتِ یوسفی (فوائد اخیار)
۵- رسالہ ماکول و مشروب
۶- قصیدہ فی حفظ صحت، ۷- رسالہ بحران



**قصیدہ فی حفظ صحت بدن** اس کے شروع میں یہ عبارت ہے۔

"بعد از حکم و ثنا و تحیت زبدۃ الرسل والانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی اصحابہ نمودہ می آید کہ این قصیدہ ایست در حفظِ صحتِ بدن قرین زینت مسند (؟) حضرت پادشاہ سکندر حشمت سلیمان جاہ، تاج بخش، عالم آرائے، عدو بند، قلعہ کشائے، طراز کسوت سلطنت و فرمانروائے نگین خاتم عظمت الخ......

آن کہ اورا رسید سرافرازی — شاہ جم قدر بابر غازی
کفِ او غیرتِ سحاب آمد — رائے او رشکِ آفتاب آمد

شاہ کی مدح کے بعد صحت و مرض کی علامات، حفظِ صحت و ازالۂ مرض کے ضمن میں مندرجہ ذیل تدابیر کا ذکر ہے،

| | |
|---|---|
| ۱- تدبیر ماکولات | ۸- تدبیر فصولِ اربعہ |
| ۲- تدبیر مشروبات | ۹- تدبیر مباشرت |
| ۳- تدبیر حرکت و سکون بدنی | ۱۰- تدبیر قوت باہ |
| ۴- تدبیر حرکت و سکون نفسانی | ۱۱ تدبیر ضماد قوتِ باہ |
| ۵- تدبیر نوم و یقظہ (نیند و بیداری) | ۱۲ تدبیر سہل الولادت |
| ۶- تدبیر احتباس و استفراغ | ۱۳ تدبیرِ حفظِ صحت، |
| ۷- تدبیر ہوائے وبائیہ، | ۱۴ تدبیر در منع رستن موے بر بدن، |

اشعار کی تعداد ۵۰ ہے، خاتمہ کے اشعار یہ ہیں،

یوسفی را بکر معنی جلوہ گر آید بفکر — تا مگر سویش کشاید بادشاہ چشم رضا
حامی شرعِ محمد بادشہ بابر کہ ہست — آفتاب و ماہ را از برائے او ضیا

از خدا امید دارم کہ گرد زہر زمان

دشمنش را آنچنان در دیگ ہنیز یرد دوا

(۲) رسالہ مختصر البیان فی ضروریات بحران | رسالہ کے ابتدائی کلمات یہ ہین :-

الحمد للہ الحکیم الوھاب والصلوٰۃ علی رسولہ محمد صاحب الحکمۃ والفضل"

رسالہ مین کہین اس بات کی صراحت نہین کی گئی ہے، کہ یہ یوسفی کی تصنیف ہے،

مذکورہ بالا تصریح سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حکیم یوسفی کی گیارہ تصانیف ہین ان مین سے بدائع الانشار کے دو قلمی نسخے میرے پیش نظر ہین، جن کی کیفیت یہ ہی نسخہ نمبر ۹۱۲ × ۵ ۱/۲ تقطیع کے ۱۱ سطری مسطر پر ۶، ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے، روشنائی سیاہ، عنوانات شنگرفی اور خط نستعلیق اور کاغذ دبیز ہے، جابجا آب رسیدگی کے نشانات ہین، متن اور حواشی پر مشکل لغات کا حل ہے، سید حامد ولد سید احمد نے چہار دہم شہر جمادی الآخر ۱۱۳۹ھ مطابق نو سن جلوس محمد شاہ نقل کیا،

نسخہ نمبر ۲ اکی تقطیع ۸ × ۵ اور ایک صفحہ مین ۱۳ سطرین ہین، خط باریک اور ۲۰۹ صفحات ہین، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہین، کاغذ کرم خوردہ اور پیوند کار ہے، کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہین،

بدائع الانشار کے دو قلمی نسخے کتب خانہ عالیہ رامپور مین بھی ہین ; مولانا امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتب خانہ نے اس کے جو حالات راقم کو لکھے ہین، وہ درج ذیل ہین،

نسخہ الف بدائع الانشار ۲ ذی الحجہ سنہ جلوس والا محمد شاہ، روز پنجشنبہ وقت ظہر کا لکھا ہوا ہے اور حضرت میان محمد امین جیو کے نسخہ سے نقل ہوا ہے، اس کے دو سو پچاس صفحات ہین، ہر صفحہ مین ۱۵ سطرین ہین، ناپ ۹ ۱/۲ × ۵ ۳/۴ ہے، کاغذ کشمیری بادامی، اور روشنائی سیاہ ہے، عنوانات شنگرفی ہین، کاغذ کرم خوردہ

---

ملہ نسخہ مملوکہ حکیم جگن ناتھ پرشاد برہان پوری،



اور پیوند کار ہے، جدولین سرخ اور لاجوردی ہین، حواشی مین حل لغات مشکلہ درج ہے، خط صاف نستعلیق ہے، کاتب نے اپنا نام نثر مین نہین لکھا، مگر آخر مین یہ شعر ملتا ہے،

الٰہی بہ عزت تو داری نگاہ ہدایت ندارد بجز تو پناہ

ہدایت اس کے کاتب کا نام ہے،

نسخہ ب :- بدائع الانشار، ناقص الآخر ہے، نسخہ الف سے چھوٹا ہے، آدھا نقل ہونے سے رہ گیا، اس کا خط معمولی بچگانہ ہے، صفحات کی تعداد ۱۰۲ ہے، اور فی صفحہ ۱۵ سطرین ہین، ناپ ۸ ۱/۲ × ۵ ہے، الفاظ مین بھی رد و بدل ہو گیا ہے، یا کر دیا گیا ہے، کتابت کی غلطیان بھی ہین، کاغذ معمولی بانس کا ہے، جدولین غائب ہین، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہین، عنوانات مین اختصار کر دیا گیا ہے، کاغذ کرم خوردہ اور پیوند کار ہے، سنہ کتابت اور کاتب کا نام درج نہین، پہلے سے پچاس یا ساٹھ برس بعد کا معلوم ہوتا ہے،

راقم مولانا کی اس اعانت کا تہِ دل سے ممنون ہے،

بدائع الانشار کے قلمی نسخے ہندوستان اور یورپ کے کئی کتب خانون مین ہین،

سببِ تصنیف | یہ کتاب فاضل مصنف نے اپنے نور نظر رفیع الدین حسین اور دوسرے طلبہ کے استفادہ کے لئے تصنیف کی تھی،

"این رسالہ ایست مسمّی بہ بدائع الانشار مشتمل بر محاورات خطابی وجوابی کہ جہت فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین طال عمرہ وسائر طالبان این فن را در قید کتابت وحیز عبارت آمد

---

ملہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ عدد ۴۹۹ (۲) انڈیا آفس عدد ۲۰۵ (۳) اشپرنگر برگ (۱۰) ۲۱ فہرست مخطوطات فارسیہ ایتھے (۴) کیمبرج یونیورسٹی لائبریری (۱۰۳) (۵) بوڈلین لائبریری کا شمارہ ۲۰۹۳ (۶) برلن لائبریری (فہرست مخطوطات ص ۱۳۵) (۷) برٹش میوزیم فہرست مخطوطات ص ۵۲۹،

**سنہ تصنیف** تکمیل تصنیف کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے ظاہر ہوگی،

این نامہ کز دست فن انشا بہ نظام — کردہ خروش بہ بدائع الانشا نام

تکرار کنی چو نام او یک بار — شک نیست کہ رہبری بسال اتمام

بحساب جمل بدائع الانشا کے اعداد ۴۷۰ ہوتے ہین، تکرار سے سنہ تصنیف سنہ ۹۴۰ھ نکل آتا ہے،

**اقسام انشاء** مقدمہ کتاب مین یوسفی نے انشار کی دو قسمین بتائی ہین،

۱- توقیعات فرامین شاہی اور احکام سلاطین (ب) محاورات، مکاتبات رمنا و نشات،

مکتوب الیہ کاتب سے رتبہ مین بلند تر، برابر یا کمتر ہوتا ہے، اس لحاظ سے محاورات کی تین قسمین بتائی ہین،

۱- مرافعات، وہ عرض داشت جو بزرگون کی خدمت مین پیش کی جائے (ب) رقاع، خطوط جو بلند مرتبہ کاتب کم رتبہ والے کو لکھے (س) مراسلات، ان مکتوبات کو کہتے ہین، جو برابر والون کو لکھے جائین، ان سب کی دو قسمین ہین، (ا) خطابی (ب) جوابی،

ان اقسام کے علاوہ عہد نامہ، تعزیت نامہ، اور تہنیت نامہ بھی مکتوبات مین داخل ہین،

بدائع الانشا حکیم یوسفی کا شاہکار ہے، فاضل حکیم کے قلم گوہر رقم نے اس مین ایسے الفاظ منتخب کئے ہین کہ زبانِ قلم اُن کی خوبی بیان کرنے سے قاصر ہے،

صورتش از حسن معانی غیرتِ ماہِ تمام — معنیش از لطفِ صورت رشکِ آبِ زندگی (یوسفی)

(باقی)

# نواے حیات

جناب یحیی اعظمی کے کلام سے صاحبِ ذوق طبقہ پوری طرح واقف ہے، اُن کی پرجوش مذہبی و ملی قومی و سیاسی، اور مختلف النوع دلکش و دلپذیر نظمون اور پرکیف غزلون کا مجموعہ نواے حیات کے نام سے چھپ گیا ہے، شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے مبصرانہ مقدمہ ہے، ضخامت ۲۰۵ صفحے قیمت للعہ مجلد ملنے کا پتہ:- دار المصنفین اعظم گڈھ،



# استفسار و جواب

## حضرت سالار مسعود غازی رحمہ اللہ

جناب حکیم محمد بہاء الدین صاحب صدیقی متصل مسجد ہاٹ گنج، ہردوئی، — سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سالار شاہو متوفی سنہ ۴۲۳ھ کے صاحبزادے اور سنہ ۴۰۵ھ مین بمقام اجمیر پیدا ہوئے تھے بعد وفات سالار شاہو تقریباً ۵ ماہ بقیدِ حیات رہے، اپنی تمام عمر مین سو بار اہلِ ہنود سے متحارب ہوئے، اسی سلسلہ مین بہرائچ پہنچے اور بتاریخ ۱۴ ماہ رجب سنہ ۴۲۴ھ (تیسری جنگ میں) شہادت پائی؛ (مفتاح التواریخ جان ولیم بیل، ماتہ پنجم ص ۳۶ (نولکشور پریس) ملخص،

مرآۃ مسعودی سے بھی اسی بیان کی تائید ہوتی ہے، ممکن ہے مفتاح التواریخ کا ماخذ مرآۃ مسعودی ہو، مگر بعض دوسرے مولفین نے بحوالہ ابو الفضل لکھا ہے، کہ "او خویش و ند سلطان محمود غزنوی است" اور بحوالہ تاریخ فرشتہ تحریر کیا ہے، کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بودہ کہ در عہد اولاد سلطان محمود غزنوی در سنہ ۵۵۵ بدست کفار مقتول گردید" تاریخ فرشتہ اور مرآۃ مسعودی و مفتاح التواریخ کے اقوال مین اختلاف ہے، تحقیق حق طالب ہوں،

تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ بزرگ کہان کے رہنے والے تھے، سنہ پیدائش کیا ہے، اور کس سلسلہ مین ہندوستان آئے تھے، اُن کے محاربات کی اصلیت و نوعیت کیا تھی، اور شہادت کیسے واقع ہوئی، جزاکم اللہ تعالی خیر الجزاء،

**معارف**:- آپ کے سوالوں کے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوئی، آپ کی یاددہانی کے خطوط ملتے رہے، پھر بمبئی کے سفر میں آپ کا زبانی پیام پہنچا، اور آخر میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی زاد مجدہٗ کی معرفت دہی استفسارات ہم دست ہوئے، حضرت سالار مسعود غازیؒ کے متعلق چند امور پیش خدمت ہیں، باقی دو سوالوں کے جواب جلد ہی روانہ خدمت ہوں گے،

حضرت سالار مسعود غازی کے متعلق جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ روایات میں اختلافات زیادہ ہیں، یوں تو ان کے مفصل سوانح حیات پر روشنی محمود غزنوی اور اس کے بعد کے زمانہ کی تاریخوں کی روایتوں سے بھی پڑتی ہے، لیکن تاریخوں میں ان کا براہ راست تذکرہ آٹھویں صدی کی لکھی ہوئی تاریخوں سے شروع ہوتا ہے، سفرنامہ ابن بطوطہ (۷۴۲ھ) تاریخ فیروز شاہی برنی (۷۵۸ھ) شمس سراج عفیف (۷۹۰ھ) میں ان کا اور ان کے مزار کا ذکر موجود ہے، پھر اکبری عہد کی تاریخوں میں سے طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، اکبرنامہ اور منتخب التواریخ میں ذکر آیا ہے، یہاں تک کہ صاحب مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی کی مستقل کتاب مراۃ مسعودی سامنے آتی ہے، جو جہانگیر کے زمانہ میں تصنیف پائی ہے، اور مصنف کا بیان ہے، کہ مراۃ مسعودی کا ماخذ ملا محمد غزنوی کی تاریخ ہے، جو محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے، اس لحاظ سے مراۃ مسعودی کا پایہ فیروز شاہ سے اکبری دور تک کی تاریخوں سے بڑھ جاتا ہے اگرچہ مراۃ مسعودی میں بعض روایتیں تاریخی روایات کے خلاف بھی ہیں لیکن اس کی تصدیق یا تردید عقل و درایت اور دوسری تاریخی روایتوں سے کی جا سکتی ہے، اور اسی خدمت کو جناب محمد عباس خان صاحب شروانی نے حیات مسعودی میں بڑی خوبی سے انجام دیا ہے، جناب کو اس موضوع سے دلچسپی ہے، مناسب ہے کہ حیات مسعودی کا مطالعہ فرمائیں، سرسری معلومات ذیل میں درج کر دیئے جاتے ہیں،

حضرت سالار مسعود غازی کا جو نسب نامہ مراۃ مسعودی میں ہے، اس سے وہ نسباً علوی قرار پاتے ہیں پرانی تاریخوں مثلاً تاریخ فیروز شاہی وغیرہ میں انھیں سید سے ملقب نہیں کیا گیا ہے، مولانا



عبدالرحمٰن چشتی نے انھیں سید الشہداء کے لقب سے یاد کیا ہے، اور غالباً اسی راہ سے سید کا لقب اُن کے نام کا جزو بن گیا ہے، ایک روایت اُن کے افغانی النسل ہونے کے متعلق بھی آئی ہے لیکن وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لئے یہی سمجھا جا سکتا ہے، کہ وہ نسلاً علوی تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی اُن کے شجرۂ نسب میں بارھویں پشت میں ہے، ان کے علوی ہونے کے باوجود ان کا محمود غزنوی کے رشتہ داروں میں سے ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس زمانہ میں ایسی رشتہ داریاں ہوتی تھیں، ان کا ننہالی تعلق محمود غزنوی کے خاندان سے ہے، اُن کی ماں بی بی ستر معلی محمود کی بہن تھیں خواہ سگی ہوں، یا کسی دوسرے قریبی رشتہ کی،

حضرت سالار مسعود غازی کے والد ماجد، سالار ساہو ۴۰۱ھ میں قندھار اور ٹھٹھہ کی راہ سے اجمیر پہنچے، اور سالار مسعود غازی کی پیدائش یہیں اجمیر میں ۴۰۵ھ میں ہوئی، تاریخ فرشتہ میں ۵۵۷ھ میں شہید کئے جانے کا جو ذکر آیا ہے، اس کو کسی حال میں صحیح نہیں کہا جا سکتا، تاریخ فرشتہ میں سنین کی غیر معمولی غلطیاں ہیں، اس لئے اس کے سنین وہی معتبر سمجھے جا سکتے ہیں، جن کی تصدیق دوسری تاریخوں سے ہوتی ہو، یا جن کی تردید میں کوئی دوسری روایت براہ راست یا بالواسطہ موجود نہ ہو ۵۵۷ھ میں غزنویوں کا آخری دور تھا خسرو ملک حکمران تھا، اس کے لئے اپنے تخت کا سنبھالنا دشوار تھا، اس دور میں غزنی سے نہیں باہر کیا جا تا تھا، اس لئے حضرت سالار مسعود غازی کی وفات کو ۵۵۷ھ میں کہنا نہ صرف عام تاریخوں کی روایتوں کے خلاف ہے، بلکہ سلطنت کے داخلی حالات بھی اس کے مخالف ہیں، پھر ہندوستانی راجاؤں کے کتبوں کی شہادتیں اس کے خلاف جمع ہیں، اس لئے ان کا زمانہ ۴۰۵ھ سے ۴۲۴ھ ہی کے اندر ہے، اور انھوں نے اسی نوعمری میں جام شہادت نوش کیا ہے،

حضرت سالار مسعود غازی نے ساڑھے ۴ سال کی عمر سے تعلیم شروع کی، اور ۱۲ سال کی عمر میں انھوں نے خاصی تعلیم حاصل کر لی، یہ تعلیمی زمانہ تقریباً اجمیر ہی میں گذرا، سالار ساہو، محمود غزنوی کے حکم سے ۴۱۵ھ میں اجمیر سے کاہیسر کی مہم پر گئے، اور مختلف مہمیں انجام دیتے رہے، اور جب یہی مقام ان کا مرکز قرار پایا تو بیوی بچہ

کو بھی اجمیر سے یہیں بلالیا، اس کے بعد جب محمود غزنوی، سومنات کی مشہور مہم میں ہندوستان آیا تو سالار شاہو نے بھی اپنے نوعمر لڑکے کو ساتھ لیکر اس میں شرکت کی، اس کے بعد محمود اپنے بھانجے سالار مسعود کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا، اور سالار شاہو اپنی خدمت پر ہندوستان میں مقیم رہے،

حضرت سالار مسعود غازی کی تعلیم و تربیت دینی ماحول میں ہوئی تھی، اس زمانہ میں ہندوستان کے مختلف خطوں میں پر امن اسلامی آبادیاں قائم ہو چکی تھیں، ہندوستان میں صوفیہ کرام اور مبلغین کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کی خدمت انجام پا رہی تھی، دوسری طرف پایہ تخت غزنی کے داخلی سیاسی حالات سالار موصوف کے لئے سازگار نہ تھے، محمود غزنوی تو ان سے محبت کرتا تھا، مگر مسعود غزنوی اور وزیر احمد بن حسن میمندی کو سالار شاہو سے شکر رنجی تھی، اور اس کا قدرتی اثر حضرت سالار مسعود غازی پر بھی پڑا تھا، محمود کی زندگی کا یہ آخر دور تھا، اور مسعود کے اقبال کا آفتاب طلوع ہونے والا تھا، اور دربار کے امرا، مسعودی جماعت میں خاصی تعداد میں تھے، اس لئے سالار مسعود غازی نے پایہ تخت میں قیام رکھنا مناسب نہ سمجھا، حالات کے لحاظ سے کوئی بڑی فوج، اور مصارف وہاں سے نہ مل سکتے تھے، دین کی خدمت کا جذبہ بھی دل میں موجود تھا، اس لئے یہ محمود سے اجازت لے کر تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ نیم تبلیغی و نیم فوجی مہم پر ہندوستان کے لئے غزنی سے روانہ ہو گئے، یہاں پہلے وہ اپنے والد سالار شاہو کی خدمت میں آئے، پھر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے مشن پر چل پڑے، چنانچہ مختلف مقامات شیو پور ملتان، اوچھ، اجودھن، دہلی، میرٹھ، گڈھ مکتیشر، سنبھل گنور، ڈبائی، دوندہ گڑھ، بدایوں، قنوج، گوپامئو، کالنور، تھوبہ، بلگرام، ملانواں ہتر گڈھ، کنترا مانک پور، اور ڈالمئو میں پہنچے، ان مختلف مقاموں پر مختلف راجاؤں نے ان کا مقابلہ کیا، اور یہ فتحیاب ہوتے گئے، اسلامی بستیاں جو کچھ پہلے سے قائم تھیں، ان کی خبر گیری کی، نئے آباد کاروں کو بسایا، اور آگے بڑھتے گئے، سالار شاہو ستر کھ میں آکر ان سے ملے، اور یہیں انھوں نے وفات پائی، پھر یہ آگے بڑھ کر بہرائچ پہنچے، اب اس دیار کے راجاؤں نے ان سے آخری فیصلہ کر لینے کا عزم کیا، وہ مختلف مقاموں سے آکر یہاں آئے، اور سہر دیو کر ان کے مقابلہ کی تیاری کی، چنانچہ ان سے ان کی کل تین لڑائیاں



ہوئیں، پہلی لڑائی میں سالار مسعود کو کامیابی ہوئی، دوسری لڑائی بھی انھوں نے جیتی، مگر ان کے رفقا کی بڑی تعداد جنگ میں کام آگئی، اور تیسری ۱۳ ردین رجب ۴۲۴ھ کی صبح کو شروع ہوئی، راجاؤں کی فوجیں بڑی تعداد میں تھیں، اور انھیں کمک بھی ملتی رہتی تھی، دونوں فوجوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا، چنانچہ حضرت سالار کے ہمراہی ایک ایک کر کے شہید ہوئے، اور ۱۴ رجب ۴۲۴ھ کو انھوں نے بھی جام شہادت نوش کیا، امیر سید ابراہیم جو کیمپ کی حفاظت پر مامور تھے، لڑائی ختم ہونے کے بعد میدان جنگ میں آئے اور ان کی اور ان کے رفقا کی لاشیں سپرد خاک کیں، اور وہی مدفن آج تک مزار اور مرجع خلائق ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ، والسلام۔

"ع س"

# "ظاہری و باطنی تعلیم"

جناب سعید راشد صاحب دکانی محلہ کھنڈسال نالہ "بریلی" — محسن کاکوروی کے بارے میں کوئی مضمون معارف میں [illegible] یا [illegible] میں شائع ہوا ہے؟ محسن پر تنقید کہاں ملے گی، معارف کا وہ پرچہ آپ وی پی کر دیجئے، انھوں اور فارسی شاعری پر ۱۹۳۱ء اور اس کے بعد پرچوں میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں، وہ پرچے بھی وی پی مرحمت فرمائیں، بعض صوفیہ کا یہ قول کہ حضور نے حضرت ابو بکرؓ یا حضرت علیؓ کو مخصوص باطنی تعلیم دی تھی، کہاں تک صحیح ہے؟

**معارف**:- معارف کے مطلوبہ پرچے ارسال خدمت ہو چکے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو "باطنی تعلیم" دینا عجیب سی بات ہے، کسی زمانہ میں "ظاہری و باطنی تعلیم" کی تقسیم نہ تھی، آپ کے فیض صحبت سے صحابۂ کرام تعلیم حاصل فرماتے تھے، اور ان میں سے جس میں قبول و استعداد کی جتنی صلاحیت تھی، اسی لحاظ سے وہ حضرات کرام فیضیاب ہوتے تھے،

یہ ان حضرات کی ذاتی صلاحیتوں اور استعدادوں پر موقوف تھا، اور اسی لحاظ سے ان میں باہم فرقِ مراتب ہے، عہد صحابہ و تابعین میں بھی جماعت کی جماعت اربابِ احسان سے فیضیاب ہوتی تھی، اس زمانہ میں بیعت اور پیری مریدی کا یہ طریقہ رائج نہ تھا، جو بعد میں جاری ہوا" پہلے کے بزرگان دین جامع حیثیات تھے، جب باطنی و روحانی اصلاح کی خدمت کے لئے علیحدہ علیحدہ شخصیتوں نے اپنے کو وقف کر دیا، تو پھر بیعت اور حلقۂ ارادت کی بنا پڑی، اور شخص واحد شخص واحد کے فیوض و تعلیمات سے فیضیاب ہونے لگا، اور رفتہ رفتہ باطن کی اصلاح کرنے والون اور اصلاح چاہنے والون دونون کے مستقل گروہ بن گئے،

ان اشارات کی روشنی میں جب آپ اپنے سوال پر نظر ڈالیں گے، تو حقیقت زیادہ واضح ہو گی، "والسلام" "س"

---

## ہماری بادشاہی

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

ہمارے چھوٹے بچون کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی، جو اُن کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی کتاب بچون کے لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان "تاریخ ہے، جو گذشتہ صدیون میں مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون میں قائم کین،

قیمت:- ۸/

ضخامت:- ۲۰۰ صفحے

"منیجر"



## مطبوعاتِ جدیدہ

**ہندوستانی لسانیات کا خاکہ** مترجمہ جناب سید احتشام حسین صاحب لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی تقطیع بڑی ضخامت، ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ/ پتہ: دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

جن لوگوں کو لسانیات یا فیلالوجی سے ذوق ہے، اُن کے لئے یہ نہایت دلچسپ فن ہے، اس کا موضوع بہت وسیع ہے، اس میں دنیا کی مختلف زبانون کی لسانی تاریخ، اُن کی مختلف اجناس کی خصوصیات، ایک نسل و خاندان کی مختلف شاخون کا باہمی ربط و تعلق، زبانون کے قواعد، الفاظ کی سرگذشت، اور اُن کے لفظی و معنوی تغیرات وغیرہ جملہ لسانی پہلو داخل ہیں، یورپین زبانون میں اس فن پر بکثرت کتابیں ہیں، عربی میں بھی عربی لغات سے متعلق تصانیف میں سامی زبانون خصوصاً عربی فیلالوجی کے متعلق متفرق معلومات ملتے ہیں، اب اردو بھی اس سے بیگانہ نہیں ہے، ہندوستان میں بکثرت زبانیں اور بولیاں رائج ہیں اور ان میں سے بیشتر ایک ہی خاندان کی شاخیں ہیں، اس لئے لسانیات سے ذوق رکھنے والون کے لئے ان کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے، غدر کے بعد بنگال کے ایک انگریز کلکٹر جان بیمز نے جن کو لسانیات سے دلچسپی تھی، ہندوستانی زبانون پر ایک کتاب لکھی تھی[1]، مذکورہ بالا کتاب اس کا ترجمہ ہے، اور اس کے شروع میں مصنف کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے، یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، زبانون کی گروہ بندی یعنی لسانی اعتبار سے اُن کی قسمیں، ہندوستانی زبانون کے مختلف اقسام، اور اُن کے بولنے کے علاقے، زبانون کے ارتقائی مدارج، اور اُن کی خصوصیات، اُن کی خاندانی تقسیم یعنی ہم جنس زبانون کی خصوصیات، بزبان یعنی ایک ہی

[1] این آوٹ لائن آف انڈین فیلالوجی،

ملک کی غیر ترقی یافتہ مقامی زبانوں نئی بولیوں کے مطالعہ اور اُن کے قلمبند کرنے کے متعلق ہدایات گو اس کتاب کا موضوع ہندوستانی زبانون کی لسانیات ہے، لیکن ضمناً دوسرے ملکون کی بعض زبانون کا بھی اجمالی ذکر آگیا ہے، اور مختصر ہونے کے باوجود ہندوستانی لسانیات سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہے، لائق مترجم کا مقدمہ اصل کتاب سے زیادہ کارآمد ہے، اس کے بغیر یہ ترجمہ ناقص رہتا، زبان کا مسئلہ ہر ملک و قوم مین خالص لسانی حیثیت رکھتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہندوستان مین اس کو قومی و سیاسی بنا دیا گیا ہے، اس کتاب سے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے، مترجم نے خاص طور سے اس کو مقدمہ مین پیش نظر رکھا ہے، جن لوگون کو ہندوستانی لسانیات سے ذوق ہو، یہ کتاب ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

جدید معلومات سائنس (حصہ اول) از جناب آفتاب حسن صاحب بی اس سی لندن تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہین، پتہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی

جامعہ عثمانیہ کی بدولت اب اردو کا دامن سائنس کے معلومات سے خالی نہین رہا، لیکن اس کی کتابین نصابی اور صرف تعلیم کے کام کی ہین، اُن سے عام لوگ فائدہ نہین اٹھا سکتے، انجمن ترقی اردو کی جانب سے ایک مستقل رسالہ سائنس کے نام سے نکلتا ہے، جس مین اس موضوع سے متعلق نہایت مفید مضامین ہین، اب انجمن نے سائنس پر ایسی جامع کتاب کی تالیف و اشاعت کا انتظام کیا ہے، جو سائنس کے ان تمام معلومات پر حاوی ہو جن کا جاننا ہر تعلیم یافتہ شخص کے لئے ضروری ہے، مذکورۂ بالا کتاب اس کی پہلی جلد ہے، اس مین دس باب ہین، کائنات کی کہانی، ہماری زمین، زمین کے خزانے، حیات کے کرشمے، انسان، صحت، نباتی دنیا، حیوانی دنیا، قوت کے کرشمے، صنعت ان ابواب مین اُن کے مباحث کے متعلق سائنس کی جملہ تحقیقات اکتشافات و ایجادات کو قلمبند کیا گیا ہے، مصنف کا بیان ایسا صاف سلیس اور شگفتہ ہے، کہ سائنس کے خشک مسائل کو سمجھنے مین کوئی دقت نہین ہوتی، اور ان کے پڑھنے



مین افسانے کا لطف آتا ہے، مباحث کی تشریح و تفہیم کے لئے بکثرت قلمی تصویرین اور فوٹو ہین قدرت کے حیرت انگیز عجائب خانہ سے واقفیت نہ صرف حصول علم کے لئے ضروری، بلکہ حصولِ معرفت کے لئے بھی مفید ہے، اس لئے ہر تعلیم یافتہ شخص کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے، اردو مین یہ بڑا قابلِ قدر اضافہ ہے، تکمیل کے بعد یہ سلسلہ اردو میں سائنس کی مختصر انسائیکلو پیڈیا ہوگا،

گاندھی نامہ حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم تقطیع اوسط ضخامت مع مقدمہ وغیرہ ۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ:- کتابستان کملانہرو روڈ الہ آباد،

یہ حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ اور تاریخی تبرک ہے، ہندوستان کی ابتدائی پر آشوب سیاسی تحریکین، خلافت اور ترک موالات ان ہی کے زمانہ مین ہوئین، جس کے اثر سے بہت کم لوگ بچ سکے، مرحوم کے سیاسی خیالات مین فطرۃً اعتدال تھا، اور ان کی حقیقت نگر اور دور بین نگاہ سیاسیات پر بھی ناقدانہ پڑتی تھی، اس لئے اس جوش و خروش کے زمانہ مین بھی اُن کی نظر ان کے ہر پہلو پر بہت دور تک جاتی تھی، اُس زمانہ مین انھون نے انگریزون اور ہندوستانیون کی سیاست اور ہندو مسلم مسائل کے متعلق اپنے مخصوص انداز مین جو خیالات و تاثرات ظاہر کئے تھے، گاندھی نامہ اس کا مجموعہ ہے، یہ نام انہی کا تجویز کردہ اور یہ مجموعہ انہی کا مرتب کردہ ہے، جس کی اشاعت کی نوبت اب آئی ہے، ہندوستان کے سیاسی طوفانون اور اس کی آزادی کے بعد آج اس مجموعہ کے بہت سے خیالات قصۂ پارینہ معلوم ہون گے، لیکن ہندو مسلم مسائل کے متعلق مرحوم نے جو خیالات ظاہر کئے ہین، ان مین سے بیشتر الہامی پیشینگوئی معلوم ہوتے ہین، اور آج سے تیس سال پیشتر انھون نے جو اشارات کئے تھے، وہ واقعہ کی شکل مین نظر آتے ہین، جو مرحوم کی فراست ایمانی کا ثبوت ہے، مجموعہ کے شروع مین جناب پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب کے قلم سے اس کی تاریخ و پس منظر کی تفصیل اور حاشیہ مین تلمیحات اور استعارات کی تشریح ہے جس سے اس کے سمجھنے مین مدد ملتی ہے، اس مجموعہ کی خوبی کے لئے یہ سند کافی ہے کہ حضرت اکبر الٰہ آبادی کا غیر مطبوعہ کلام ہے،

**نوائے دل** از جناب ہادی مچھلی شہری تقطیع بڑی ضخامت ۲۹۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۵ر پتہ کتابستان کملا نہرو روڈ الہ آباد،

جناب ہادی مچھلی شہری کا کلام تعارف سے مستغنی ہے، اُن کی مشق سخن پر چالیس سال گذر چکے ہیں اتنی طویل مشق ایک متشاعر کو شاعر بنا دینے کے لئے کافی ہے، اور جناب ہادی تو صاحب استعداد اور فطری شاعر ہیں، ایک زمانہ میں اردو کا کوئی ادبی رسالہ ان کے کلام سے خالی نہ ہوتا تھا، لیکن اب وہ اس منزل سے آگے بڑھ چکا ہے، نوائے دل اُن کے کلام کا مجموعہ ہے، حضرت ہادی کے کلام کا نشو و نما اس دور میں ہوا، جب شاعری کی پرانی بساط اٹھ رہی تھی، اور نئی محفل جم رہی تھی، اسلئے ان کا کلام دونوں کے اچھے اثرات کا نمونہ اور خیالات کی نفاست و پاکیزگی، اور زبان و قواعد کی صحت و صفائی کا مجموعہ ہے، اور اس میں نئے طرز کے جوش و مستی اور چمک، اور تڑپ کے بجائے ایک خاص قسم کی متانت و سنجیدگی اور اعتدال و پختگی پائی جاتی ہے اس حیثیت سے ان کا کلام استادانہ ہے، دیوان کے شروع میں مصنف کے قلم سے انکے حالات اور جناب ڈاکٹر حفیظ سید کے قلم سے کلام پر ناقدانہ تبصرہ ہے امید ہے کہ اصحاب نظر میں نوائے دل کی پوری قدردانی کیجائیگی۔

**حزب اللہ** مرتبہ جناب پروفیسر حاجی مولوی محمد الیاس برنی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، ہر محصولڈاک بھیجکر مفت ملیگی، پتہ: بیت الاسلام سیف آباد حیدرآباد دکن،

مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و سعادت اور مشکلات و مصائب کے حل کے لئے ظاہری تدابیر کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعا، عجز و نیاز اور الحاح و زاری بھی ضروری ہے، اس غرض کے لئے علماء و صلحاء نے احادیث نبوی سے ماثورہ دعائیں جمع کی ہیں، ان میں حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی حزب البحر زیادہ مشہور ہے، آجکل مسلمانوں پر بڑا نازک وقت ہے اس لئے مرتب نے ان حالات کی مناسبت سے حزب اللہ کے نام سے آیات قرآنی و دعائیں اور اوراد مرتب کی ہیں، اور ہر ایک کے ساتھ ان کی خصوصی مناسبت کا خاص لحاظ رکھا ہے، کتاب کے شروع میں ان کے نکات و فوائد پر مشتمل ایک مفید مقدمہ ہے، اصحاب ذوق و حال کو اس ہدیہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے "م"



جلد ۶۱ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۳ء عدد ۲

مضامین



مقالات



ادبیات